Women Writ[illegible]
Classics

ڈرامے

فسادی

عصمت چغتائی

RHOTAS LPS
Low Priced Series

فسادی

ڈرامے

عصمت چغتائی

روہتاس بکس

اشاعت اول	1992ء
پرنٹرز	نفیس پرنٹرز پٹیالہ گراؤنڈ لاہور
پبلشرز	روہتاس بکس احمد چیمبرز - ٹیمپل روڈ لاہور

فسادی

ترتیب

مقدمہ

صلاح الدین احمد

خزاں کی ایک شام کا ذکر ہے، میں بائیسکل پر سوار اپنے دیہاتی مکان کو جا رہا تھا کہ چونگی کی چوکی کے قریب سامنے سے پروفیسر "ف" آتے دکھائی دیئے "ف" صاحب ہمارے ان نوجوان ادیبوں میں سے ہیں جنہوں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ میں انہیں دیکھتے ہی بائیسکل پر سے اتر پڑا اور وہ بھی میری طرف جھپٹے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے کچھ کہنے کے لئے بے تاب ہو رہے ہیں۔ میرا خیال ٹھیک تھا۔ انہوں نے علیک سلیک کے مراحل بڑی تیزی سے طے کئے اور کہنے لگے۔ "حضرت! آپ جب تک مجھے یہ نہیں بتائیں گے کہ اس عصمت کے پردے میں کون مردوا ہے، میں آپ کو یہاں سے ہلنے نہیں دوں گا اور یہ آپ نے کیا وطیرہ اختیار کر رکھا ہے کہ ایسی ناقابل برداشت چیزیں شائع کر کے آپ ادب کی کون سی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ توبہ توبہ! آپ کا پرچہ اب شریف گھرانوں میں تو جانے کے قابل رہا نہیں کم از کم میں اپنی بیوی کا ایسے مضامین پڑھنا پسند نہیں کروں گا اور میری پسند کا کیا سوال ہے، انہوں نے اسے پڑھا اور بے حد ناپسند کیا۔ ہاں بتایئے نا یہ عصمت صاحب ہیں کون بلا؟"

پروفیسر صاحب ذرا جلد جلد بولتے ہیں۔ وہ سب کچھ ایک ہی سانس میں کہہ گئے میں، کہ اس ناگہاں حملے کے لئے تیار نہ تھا۔ کچھ دیر ساکت و ساکن کھڑا رہا اور پھر وہ تمام قوتیں اور جولانیاں مجھ میں عود کر آئیں جو کسی بے گناہ مجرم کی وکالت کے وقت انسانی دل و دماغ میں ایک زلزلہ سا پید! کردیتی ہیں اور میں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پروفیسر صاحب کے دونوں شانوں کو پکڑ لیا اور ان کی آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر کہا۔
"اگر آپ یہ کچھ کہتے ہیں آپ جو نہ صرف ایک روشن خیال معلم بلکہ ایک کامیاب مصنف بھی ہیں۔ آپ جس کا قلم ہماری خانگی معاشرت کی منتخب تصویروں میں ایسے رنگ بھرتا ہے کہ ہمیں زندگی سے ایک محبت سی پیدا ہو جاتی ہے اگر آپ کا یہ انداز نظر ہے تو پھر ہمارے آرٹ اور ادب کا خدا حافظ" اور پھر ہم ایک طویل بحث میں الجھ گئے جس کا انجام یہ ہوا کہ پروفیسر صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی شریک زندگی کے ساتھ مل کر اس ناقابل برداشت مضمون کو پھر سے پڑھیں گے (یہ عصمت کا ڈرامہ "انتخاب" تھا) اور مجھے ہفتہ عشرہ تک اپنی رائے سے مطلع کریں گے ابھی ایک ہفتہ نہ گزرنے پایا تھا کہ مجھے ان کی رائے ان کے ایک ساتھی پروفیسر کی وساطت سے پہنچ گئی۔ پروفیسر "ح" ایک دن تیز تیز قدموں سے میرے دفتر میں داخل ہوئے اور آتے ہی پچھلے مہینے کا پرچہ مانگا۔ میں نے کہا "خیر تو ہے؟" کہنے لگے "کچھ نہیں "ف" صاحب سے سنا تھا آپ کے ہاں ایک غیر معمولی چیز چھپی ہے۔ کوئی لکھنے والی ہیں عصمت چغتائی' ان کی' کہتے تھے۔ یہ مصنف نہیں سرجن ہے سرجن"----
اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے کمرے کے سب روشندان ایک دم پٹ سے کھل گئے اور روشنی کے ایک سیلاب نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا---- پروفیسر "ف" نے کیا خوب کہا تھا "یہ مصنف نہیں سرجن ہے سرجن"
اور نظریے کی یہ تبدیلی کچھ طباع افراد تک محدود نہیں۔ ہم نے اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ گرد سے اٹے ہوئے راستے پر چلنا گوارا کرتے ہیں۔ لیکن اس نازک سی پگڈنڈی پر قدم ڈالتے ہوئے ڈرتے ہیں جسے کسی من چلے کی جرات نے کسی سبزہ زار میں سے نکالا ہو۔ مگر ایک دفعہ جب ہمت کر کے اس پر چل پڑتے ہیں تو پھر انہیں حیرت ہوتی ہے کہ ہم اب تک کہاں تھے۔ اگر آپ فن کی نشوونما پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں تو یہ حقیقت آئینہ ہو جائے گی کہ کل تک جو چیزیں ممنوع و معیوب تھیں وہ آج جائز اور مستحسن ہیں۔ پس آج اظہار و بیان کی جو کیفیت ہمیں چونکا دیتی ہے۔ کل یقیناً وہی ہمارے لئے ایک ندائے غیب بن جائے گی۔

عصمت کے فن کی غالباً سب سے نمایاں خصوصیت یہی ہے کہ وہ اپنی بصیرت کی ایک نہایت بے باک اور صداقت شعار ترجمان ہیں اور اگرچہ ان کی یہ ترجمانی ان کی نگارش کی پرکاری کا نقاب اوڑھے رہتی ہے۔ لیکن ازبسکہ وہ ایک ہندوستانی عورت ہیں' اس لئے اس نیم پخت دور میں انہیں اپنی جرات کی وہ داد نہیں مل سکتی جو ان کا حق ہے۔ داد تو ایک طرف اگر وہ اس بیدار سے بچ جائیں جس کی ارزانی میں معترضوں کے دل ان کی زبانوں کا ساتھ نہیں دیتے' تو بسا غنیمت ہے۔ عصمت کی ادبی زندگی کو شروع ہوئے ابھی بہت کم عرصہ گزرا ہے' خود ان کے برادر اور معظم جناب مرزا عظیم بیگ چغتائی کو اپنی ہمشیرہ کے اس جوہر خداداد کا قطعی کوئی علم نہ تھا۔ تاآنکہ ۳۹ء کے اواخر میں ادبی دنیا نے ان کے ایک دو افسانوں کا جو ساقی میں چھپے تھے' جائزہ لیا اور اہل ذوق کو نوید دی کہ آسمان ادب پر ایک ایسا ستارہ طلوع ہوا ہے جس کی ضو افشانیاں بہت سے راہ نوردوں کو منزل گہ مقصود کا راستہ دکھائیں گی۔ میں ابھی عرض کر رہا تھا کہ عصمت کی ایک ممتاز خصوصیت ان کی بصیرت اور اس بصیرت کی دلیرانہ ترجمانی ہے۔ موجودہ مجموعہ کے بیشتر افسانے اور مضامین خاص کر ان کے ڈرامے ان کی اس خصوصیت کے آئینہ دار ہیں۔

انتخاب سانپ' فسادی اور بنے موضوع کے لحاظ سے مختلف سہی' مگر ہماری ادھ کچری معاشرت اور ہمارے تعلیم یافتہ اور مہذب طبقے کے جنسی مسائل کے نہایت گہرے نفسیاتی مرقعے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ایک اوسط درجے کا پڑھنے والا بعض بعض مقامات پر چونک پڑتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ کیا واقعی؟..... لیکن ڈرامہ کی روانی جب اسے بہا کر نقطہ عروج تک لاتی ہے تو بسا اوقات اسے اپنی رائے بدلنی پڑتی ہے اور وہ کہہ اٹھتا ہے "بے شک ایسا ہی ہے اور نہیں ہے تو ہو گا' ہو کر رہے گا' آج نہیں تو کل...... ایسا ہی ہو گا" مگر اسے معلوم نہیں یہ کل اپ کا ہے۔ فرق محض دیکھنے کا ہے اور بات صرف کہہ دینے میں ہے عصمت وہ کچھ دیکھ لیتی ہیں۔ شاید اپنے عورت ہونے کے باعث جو ایک اوسط درجے کا فنکار نہیں

دیکھتا اور وہ کچھ کہہ دیتی ہیں اور یہ اپنے عورت ہونے کے باوجود جو ایک اعلیٰ درجہ کا مرد افسانہ نگار نہیں کہتا اور شاید نہیں کہہ سکتا' غالباً اس لئے کہ اسے اپنے مشاہدے پر یقین نہیں۔ شاید اس لئے کہ اس نے بعض سچائیوں کو ـــــــــ

ایسے قریب سے محسوس نہیں کیا کہ ان کا اظہار

اپنے خلوص کی طاقت سے پڑھنے والے کے دل و دماغ پر چھا جائے۔ عصمت کے فن کی یہ قابلیت اس کے فن کا سب سے بڑا سہارا ہے اور یہ ہمارے ادب کی خوش قسمتی ہے اسے صنف نازک میں سے ایک ایسی لکھنے والی میسر آئی جس نے نہ صرف اس روایتی بناوٹ تکلف اور خوف کو یکسر دور کر دیا جس نے اس طبقہ کی روح کو دبا رکھا تھا بلکہ اپنی ژرف نگاہی اور حق پرستی سے ہمیں انسانی فطرت کی ان نازک اور لطیف ترین کیفیتوں سے آشنا ہونے میں مدد دی جن تک کسی تیز سے تیز مرد صاحب قلم کی رسائی محال نظر آتی ہے۔

ان ڈراموں میں انتخاب اور سانپ اور افسانوں میں شادی' خدمت گار اور پس پردہ اور مضامین میں اف یہ بچے اور ڈھیٹ ان کی ایسی تخلیقات ہیں جن میں انہوں نے جدید ہندوستانی عورت' ماڈرن انڈین گرل کی نفسیاتی نشوونما پر بالکل نئے زاویوں سے روشنی ڈالی ہے اور اس کی زیر تعمیر فطرت کے چند ایسے گوشوں کو بے نقاب کیا ہے۔ جو اب تک ناظر اور نقاد دونوں کی نگاہوں سے اوجھل تھے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ عصمت صرف اپنی صنف ہی کو زندگی کی بے رحم روشنی میں گھسیٹ لاتی ہیں۔ وہ صنف مقابل کی نفسیاتی تحلیل پر بھی ویسی ہی قدرت رکھتی ہیں اور تعلیم یافتہ نوجوان کی نبض بھی اس صداقت سے ٹٹولتی ہیں۔ جس قدرت اور صداقت سے وہ صنف نازک کا جائزہ لیتی ہیں۔ ہندوستانی معاشرت' خصوصاً مسلمانوں کے طرز زندگی کی پابندیوں کو مد نظر رکھا جائے تو ہماری مصنفہ کی غیر معمولی قوت مشاہدہ ہمیں حیرت میں غرق کر دیتی ہے اور ہم سوچنے لگتے ہیں کہ یہ مشاہدہ ہے یا تخیل؟ اگر مشاہدہ ہے تو آفرین اور اگر تخیل ہے تو پھر آپ کا اور ہمارا خدا حافظ ع آج تم کل ہماری باری ہے

عصمت کے بیشتر افسانے (سہولت کی خاطر ہم یہاں ان کے ڈراموں کو بھی افسانوں ہی میں شامل کئے لیتے ہیں) بادی النظر میں آرٹ برائے آرٹ کے نمونے نظر آتے ہیں۔ اور اگرچہ فن کا یہ رخ بھی کچھ کم قابل قدر نہیں۔ لیکن درحقیقت یہ مصنفہ بھی ایک عجیب و غریب ستم ظریفی کا مرقع ہیں۔ جو اس نے خود اپنی ذات سے روا رکھی ہے۔ چشم ظاہر میں موضوع کی بے باکی اور بیان کی پرکاری ہی میں الجھ کر رہ جاتی ہے اور افسانے کا اخلاقی پہلو آرٹ کے دھندلکوں میں غائب ہوجاتا ہے۔ فن کار کی اصلاحی غرض پوری ہوجاتی ہے لیکن وہ خود لوگوں کی کم نظری کا شکار ہوجاتا ہے۔ مثلاً "شادی ایک ایسا افسانہ ہے جس کا سب سے شاید اہم عنصر اس کا اخلاقی پہلو ہے "میں" ایک ترقی یافتہ ماڈرن گرل ہونے کے باوجود فطرت کے اعتبار سے ہندوستانی نسائیت ہی کی ایک جدید تصویر ہے۔ وہ نور کی سچی الفت سے بے حد متاثر، عزت اور محبت کی اس نفسیاتی سرحد پر کھڑی ہے جہاں سے فقط ایک قدم آگے اسے کیف و نشاط کی جنت اور ایک قدم پیچھے محرومی و حسرت کے دوزخ میں پہنچایا جاسکتا ہے اور وہ اگلا قدم نہیں اٹھاتی اور پھر:-

> "پرانا محل گرتا ہے۔ بڑھیا اپنے برتن بھانڈے اٹھا لے۔ اڑ اڑ اڑ ادھم میرے تخیل کا بے بنیاد گھروندا ڈھے پڑا۔ ایک دم پھک سے ساری بجلیاں بجھ گئیں اور اس مکروہ اندھیرے میں مجھے ایک ننھے سے بچہ کی خاموش چیخیں سنائی دیں جس کے بال اور ہونٹ تاریکی کی وجہ سے صاف نظر نہ آتے تھے--- اب ان سیاہ بدصورت بچوں کی گوڑی میں مجھے اکثر وہی ننھا سا گھنے گھوے ہوئے بالوں اور بھرے ہوئے خوش رنگ ہونٹوں والا بچہ اپنے سے بہت قریب محسوس ہوتا ہے--- مگر مختار صاحب کو یہ کیا معلوم!"

(شادی صفحہ 67)

شادی کے علاوہ ان کے اکثر دیگر افسانوں کے پیکر میں تہذیب اخلاق اور

اصلاح معاشرت کی ایک ہلکی ہلکی سی برقی رو جاری رہتی ہے "برقی" کا لفظ میں نے عمداً" استعمال کیا ہے۔ اس لئے کہ اگر پڑھنے والا اس رو کو شعوری طور پر محسوس کرنا چاہے گا تو وہ اسے جھٹک کر رکھ دے گی۔ عصمت کے ہاں ہمیشہ وہ تحت الشعور میں دبی رہتی ہے اور اسے کبھی یہ موقع نہیں دیا جاتا کہ وہ افسانے کی سطح تک ابھر کر اسے نتائج و سباق کی بے کیفیتوں سے بدنما بنائے۔ لیکن یہاں فن کار خود اپنی قربانی پیش کرتا ہے وہ ایک زبردست مصلح اخلاق ہونے کے باوجود عوام کے نزدیک عریاں نویسی کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔ اور اس کے بے پناہ طنز اور بے مثال تجزیئے سے کچھ وہی لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جو اپنے دماغوں کے روشندان کھول چکے ہیں اور زندگی کے استقبال کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ورنہ فن کار کو اپنے زمانے سے دو قدم آگے ہونے کے تمام نتائج خاموشی سے بھگتنے پڑتے ہیں اور وہ چپ چاپ اپنی قربان گاہ کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ مگر یہی ہے وہ مقام جہاں فن کا دھارا دو بالکل مختلف شاخوں میں بٹ جاتا ہے۔ ادنیٰ آرٹ کی شاخ رائے عامہ کے ریگستان کا رخ کرتی ہے اور تھوڑی دور بہہ کر اسی کی تپش آفرینیوں میں جذب ہو کر رہ جاتی ہے لیکن فن عظیم کی شاخ مخالفت کی چٹانوں پر سے لپکتی اور اعتراضات کے خس و خاشاک کو بہاتی ہوئی دیوانہ وار آگے بڑھتی ہے اور ایک پر شکوہ دریا کی صورت میں بقائے دوام کے سمندر سے جاملتی ہے۔ آرٹ کی قربانی رائیگاں نہیں جاتی۔ آنے والی نسلیں اس کی پوجا کرتی ہیں اور اسے انسانی فکر کی رہنمائی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ رائے عامہ کو بدلنے کی قوت عطا ہوتی ہے اور فن کی نئی قدریں قائم کرنے کا امتیاز مرحمت ہوتا ہے۔ عصمت اسی قبیل کی ایک ممتاز فن کار ہیں اور اپنی جنس کے اعتبار سے اردو میں کم و بیش انہیں وہی رتبہ حاصل ہے جو ایک زمانہ میں انگریزی ادب میں جارج ایلیٹ کو نصیب ہوا جس نے وکٹوریائی تصنع اور جھوٹی وضعداری کو بالائے طاق رکھ کر ایک مصنفہ کی حیثیت سے وہ باتیں کہہ ڈالیں جو اسے کہنی چاہئے تھیں اور جو صرف ایک عورت فن کار ہی موثر

طور پر کہہ سکتی تھی۔ ممکن ہے کہ توبتہ النصوح اور شام زندگی کی ماری ہوئی ہماری موجودہ نسل عصمت کی تخلیقات کی اہمیت اور عظمت کا صحیح اندازہ نہ لگائے۔ لیکن یہ یقین ہے کہ کل کی مائیں اور خالائیں اسے اپنے سینوں میں تڑپتا ہوا پائیں گی اور آج کل کی "پڑھی لکھی" شریف بیبیوں کی طرح اپنے شوہروں اور بھائیوں سے اس کی گرمی سخن کے شکوے نہیں کریں گی۔

عصمت کی ایک اور حیرت انگیز خصوصیت یہ ہے کہ وہ سوسائٹی کے اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں طبقوں کی یکساں ترجمان ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ہماری معاشرت کے تقریباً" ہر پہلو کا نہایت گہرا مطالعہ کیا ہے اس کے لئے دیہاتی حسینہ نیرا کا کردار بھی کتاب زندگی کا ایک ویسا ہی کھلا ہوا ورق ہے جیسا فیشن ایبل رفیعہ کا کیریکٹر۔ اس نے محل اور جھونپڑی دونوں کے تاریک گوشوں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا ہے اور اس کا بیان بھی موضوع کے اعتبار سے گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیتا ہے۔ مکالمہ کی چستی اور الفاظ کی موزونی اگر ایک ہی نہ ہو تو کون مانے گا کہ فسادی اور جوانی ایک ہی فن کار کی تخلیقات ہیں۔ مرد مصنفین کا ذکر نہیں۔ لیکن ہمارے ہاں جو ترقی یافتہ لکھنے والے ہیں ان میں سے کسی کے ہاں اس قدر تنوع اور بالکل مختلف مضامین پر ایسا حیرت انگیز اور یکساں قابو نظر نہیں آئے گا۔ جو قلم ڈرائنگ روم کی رنگ برنگ کیفیتوں اور پائیں باغ کے کھلنے والے دریچوں کے رومان پر روانی سے چلتا ہے وہ کسی پلیا کے نیچے بیٹھی ہوئی بھکارن کے آتشیں جذبات کی تصویر کشی سے عموماً" عاجز رہ جاتا ہے۔ اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ بورژوا سوسائٹی کے روزمرہ مسائل، خصوصاً" متمدن مسلمانوں کی خانگی معاشرت کی تصویر کشی میں ہماری بلند پایہ خاتون افسانہ نگاروں نے خاصی کامیابی حاصل کی ہے۔ مثلاً" والدہ افضل علی اور نذر سجاد حیدر نے۔ مگر عالمگیر احساس کی دولت بہت کم افراد کے حصہ میں آئی ہے۔ عصمت ایسے چند خوش قسمت فن کاروں میں ایک ممتاز درجہ رکھتی ہیں۔

میں ابھی ابھی ان مکالموں کی چستی کا ذکر کر رہا تھا۔ مجموعہ زیر نقل میں

افسانوں کے علاوہ انکے چار ڈرامے انتخاب، اختصار، سانپ، فسادی، بنے اور ایک گفتگو ڈھیٹ ان کے مکالموں کی برجستگی، چستی، ایجاز و اختصار اور برمحل روزمرہ کی کامیاب مثالیں ہیں۔ مکالمہ کو کردار کی ذہنی سطح کے مطابق ڈھالنا اور الفاظ کے انتخاب میں ماحول کی بدلی ہوئی کیفیتوں کو مدنظر رکھنا معمولی فن کاری نہیں ہے۔ عصمت کے ہاں اس کی نہایت شاندار مثالیں نظر آتی ہیں۔

(سید اور رفیعہ، بہن اور بھائی اپنے باپ کی موت کے چند روز بعد سید کے کمرے میں بیٹھے اوپر تلے کے بہن بھائیوں کی طرح ایک دوسرے سے الجھ رہے ہیں کہ رفیعہ کے منگیتر غفار کے آنے کی اطلاع ملتی ہے۔)

نوکر: اہم سرکار---- غفار میاں آتے ہیں۔

سید: (غصہ سے کرسی دھکیلتا ہے) اونہ! لاحول ولا قوہ۔

رفیعہ: کیوں یہ آخر اترانے کیوں لگے؟

سید: (ویسے ہی چڑ کر) یہ کہاں کی رسم ہے کہ ایک تو انسان ویسے ہی پریشان ہو، اور اوپر سے لوگ آکر جان کھائیں۔

(ڈریسنگ گاؤن پہن لیتا ہے)

رفیعہ: مگر سید غفار ہیں۔

سید: (گھٹی ہوئی آواز میں) غفار نہیں اس کا باپ بھی ہو تو میں کیا کروں مجھے ان پرسہ دینے والوں سے چڑ ہے۔ بار بار گویا چھیڑنے چلے آرہے ہیں۔

رفیعہ: (طعن سے) صبح سے نہ جانے کون کون تمہارے دوست چلے آرہے ہیں تو کچھ نہیں۔ اب غفار کے آنے سے جل گئے!۔

سید: (جھلا کر) تم اور مجھے جلا رہی ہو۔ جو بھی آرہے ہیں بے وقوف ہیں مانا کہ غفار تمہارا منگیتر ہے تو اس کے یہ معنی تو نہیں کہ وہ ہر وقت سر پر ہی سوار رہے۔

رفیعہ: (چڑ کر) واہ! شرم نہیں آتی۔ سب کے سامنے میرا منگیتر کہہ دیا کرتے ہو۔

سید: اوہو تو گویا آپ شرماتی ہیں اپنے منگیتر سے۔
رفیعہ: یوں تو نہ کہو کافی شرماتی ہوں۔
سید: بڑی شرماتی ہو۔ میں کہتا ہوں جب اس سے تمہیں شادی ہی نہیں کرنی تو پھر اس سے چالیں کیوں چلا کرتی ہو۔
رفیعہ: اے ہے سید باؤلے نہ بنو (آہٹ سن کر) شش۔ چپ!
(آہستہ سے پردہ ہلتا ہے اور غفار اندر آتا ہے۔ حسین اور بھولے چہرے کو غم اور گھبراہٹ نے اور بھی معصوم بنا دیا ہے۔ تھوڑی دیر تک بے تکی خاموشی چھائی رہتی ہے۔ تینوں بے چین۔ سید کو غصہ بھی)
غفار: (سمجھ میں نہیں آتا کیا کرے۔ ہمت کر کے) اف! کس قدر اداسی چھائی ہوئی ہے۔
سید: (کٹتے ہوئے لہجہ میں) معاف کرنا۔۔۔۔ غفار یہی بالکل یہی جملہ تم صبح دہرا چکے ہو۔
غفار: (سٹ پٹا کر رحم طلب نگاہوں سے رفیعہ کو دیکھتا ہے جو سید کو تنبیہاً گھورتی ہے۔ ہمت کر کے) رفیعہ! آپ کا ارادہ تعلیم جاری رکھنے کا ہے؟
سید: (رفیعہ کے بولنے سے پہلے ہی) کیوں بھلا ایسی کیا خوشی کی بات ہوئی ہے جو یہ پڑھنا چھوڑ بیٹھیں گی۔ خوب!
غفار: (گھبرا کر) یہ میرا مطلب نہیں۔۔۔۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اماں جان تنہا ہو جائیں گی۔
سید: اونہہ! جیسے یہ ان کے پہلو ہی سے تو لگی بیٹھی رہتی ہیں۔
غفار: انہیں ایک غم خوار اور ہمدرد کی ضرورت ہوگی۔
سید: (جل کر) کس قدر بے وقوف ہو تم۔ بھلا یہ بیگم صاحبہ اماں جان کی کیا دلجوئی کریں گی۔ بھئی ان کے شوہر کا انتقال ہوا ہے اور یہ قطعی نعم البدل نہیں ہو سکتیں۔
رفیعہ: (تنبیہاً) سید!

غفار: -(مردہ آواز میں) بھئی سید نہ میں تمہاری طرح چالاک اور چرب زبان-
سید: تو پھر آپ کو پرسہ دینے کی آفت کیا پڑی ہے-
رفیعہ: (ذرا ڈانٹتے ہوئے) سید! تم تو انسان کے پیچھے پڑ جاتے ہو-
سید: (لڑائی کے لہجہ میں) تم کون! غفار کی حمایت لینے والی اس کے منہ میں کیا زبان نہیں ہے-
رفیعہ: زبان تو ہے پر تمہاری طرح منہ میں تلوار نہیں ہے- میں کیوں نہ لوں حمایت-
غفار: (ذرا سنبھل کر) اگر رفیعہ میری حمایت بھی لیں تو تمہیں کیا اعتراض ہے؟ یہ ان کی مہربانی ہے!
سید: (جل کر) حمایت---- تم---- تمہیں اس سے بہت مہربانیوں کی امید ہے-
رفیعہ: (جلدی سے) سید دیکھو تم نے پھر میرا دل دکھانے کی باتیں کیں- ابا جان کے انتقال کے بعد سے تم بہت ہی وہ ہوگئے ہو-
سید: اونہہ! یہ سب مکاری ہے-
رفیعہ: (روہانسی ہوکر) ہر وقت میرے پیچھے ہی پڑے رہتے ہو-
سید: (جل کر) تمہارے؟------ تمہارے! ارے کیوں---- بس------ یہ سب ہمدردی وصول کرنے کے لئے ہے---- (اسے واقعی رونے پر تیار دیکھ کر) اچھا بھئی شروع کرو تم اپنی تقریر---- ہاں کیا کہہ رہے تھے------ کہ بڑی------ وہ اداسی چھا رہی ہے ہاں اور کیا؟

(سانپ)

یہ پہلا منظر تھا- اب سین بدلتا ہے اور اس کے ساتھ ہی فضا میں بھی ایک انقلاب سا رونما ہوجاتا ہے- تیسرے سین کے آخری ٹکڑے میں رفیعہ اپنے عروج پر ہے"-

خالدہ: مگر اب تو رفیعہ نے فیصلہ کرلیا-

غفار: (چونک کر) کیا فیصلہ کرلیا۔
خالدہ: یہی کہ وہ تمہیں نہیں نگلے گی۔
رفیعہ: ہاں اب تو میں ظفر کو نگلوں گی۔ یہ ہے تو پھر یہی سہی۔
(ظفر پریشان ہوکر مسکراتا ہے)
غفار: (سمجھ کر) تو---- تمہارا یہ مطلب ہے کہ تم مجھے ٹھکرا رہی ہو۔
رفیعہ: اونہہ! اب تم نے بھی غلیظ شاعری شروع کردی۔
غفار: (پریشانی سے انگلیاں چٹخا کر) اور ظفر تم مجھے دھوکا دیتے رہے۔
ظفر: غفار! بچے نہ بنو یہ فتنہ تمہارے بس کا نہیں تھا شکر کرو میرے ہی اوپر بیتی اور تم بچ گئے تم دیکھنا وہ میری گت بنائے گی۔
غفار: کاش میری وہ گت بن جاتی۔
خالدہ: مگر غفار سوچو تو----
غفار: ایک عرصہ دراز سے یہ بات بزرگوں نے طے کردی تھی۔
خالدہ: یہ تو ٹھیک ہے کہ آبائی حق تو تمہارا ہے۔ پر یہاں تو رفیعہ کا معاملہ آن پڑا ہے وہ ایک ضدی ہے۔
غفار: (اندوہگیں ہوکر) میں---- جارہا ہوں (نہایت اداسی سے) رفیعہ خدا کرے تم خوش رہو۔
(کھڑا ہوجاتا ہے)
ظفر: مجھے کوئی دعا نہیں دیتا (بڑبڑا کر) جیسے رفیعہ کو بڑی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ لوگ مجھے دعا نہیں دیتے۔
رفیعہ: (غفار کے پاس جاکر پیار سے) غفار تم غصے تو نہیں ہو؟
غفار: (غصہ سے) نہیں۔
رفیعہ: اور رنجیدہ؟
غفار: (رقت سے) نہ رنجیدہ۔
رفیعہ: (ایک دم اس کا حسین چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر بڑی محبت سے

دیکھتی ہے) تم بڑے پیارے ہو غفار۔ تم نہیں جانتے مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔

سید: (تنہا) پھر پھیلایا جال!

رفیعہ: (ویسے ہی اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے) تم کون ہوتے ہو سید بیچ میں بولنے والے (غفار سے) میں تمہیں بچپن سے پسند کرتی ہوں بہت ہی پسند کرتی ہوں۔

(ظفر متحیر آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا ہے)

غفار: (امید بھری آواز میں) رفیعہ!

رفیعہ: (بڑی رومینٹک آواز میں) ہاں۔

غفار: (اس کے بازوؤں پر ہاتھ پھیر کر) تم نے ابھی کہا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔

رفیعہ: ہاں اور ہمیشہ اسی طرح محبت کرتی رہوں گی اس کا منہ قریب کر کے، تمہیں یاد ہے غفار بچپن میں میں کس قدر شرارتیں پسند کرتی تھی۔

سید: جھوٹی۔ غفار نے کبھی شرارت کی ہی نہیں۔

غفار: سید کی پروا نہ کر کے جوش سے، تو پھر---- تو پھر--- رفیعہ۔

رفیعہ: ہاں پھر اب میں نے فیصلہ کرلیا۔ ظفر سے شادی کرنے کے بعد میں فوراً" تمہیں گود لے لوں گی۔ کیوں ظفر! (غفار کا چہرہ جھکا کر پیار کرنا چاہتی ہے)

(ظفر ایک دبی ہوئی اطمینان کی سانس لیتا ہے۔ اور آرام کرسی پر لیٹ جاتا ہے)

غفار: (جسم میں ایک دھکا سا محسوس کرتا ہے) اور خاموش دو قدم پیچھے ہٹ جاتا ہے) سانپ!! (بغیر دوسری نگاہ ڈالے ایک دم پہلے دروازے سے نکل جاتا ہے)

رفیعہ: (حیرت سے مسکراتے ہوئے اپنے خالی ہاتھ دیکھتی ہے) ارے (ظفر، سید اور کچھ کچھ خالدہ بھی حیرت سے منہ پھاڑے بیٹھے ہیں)

ظفر: (گھٹی ہوئی مردہ آواز میں) سانپ!

(سانپ)

آپ نے دیکھا فن کار نے سید، غفار اور رفیعہ کے کرداروں کی ان کی مختلف خصوصیات میں کس طرح سمو کر رکھ دیا ہے۔ مکالمہ کی خوبیوں کے علاوہ یہ مختصر ڈرامہ اس ابدی سوال کا ایک لطیف جواب ہے کہ عورت شکاری ہے یا شکار۔ مغربی فن کاروں میں غالباً" شا"نے عورت کو شکاری کہا ہے لیکن ہمارے لئے عصمت کی شہادت زیادہ معتبر ہے۔ اب اسی اقتباس سے ملتا جلتا ایک اور ٹکڑا ملاحظہ کیجئے۔ جس میں کالج کی پس پردہ لڑکیوں کی ایک بے تکلف صحبت کو نہایت بے رحمی سے بے نقاب کیا گیا ہے۔ منظر لیکچر روم کی زنانہ گیلری ہے جس کے سامنے پردہ لٹک رہا ہے۔ نیچے پروفیسر صاحب لیکچر دیا کرتے ہیں جن سے طلبہ کے علاوہ طالبات بھی یوں مستفیض ہو رہی ہیں۔

اور وہ--- نیلی شیروانی!" طفیل اپنی معصوم آنکھیں گھما کر بولی۔

"کون؟ وہ بطخا!" میں نے برا مان کر کہا۔

"کوئی نہیں بطخا تو نہیں ہے وہ" طفیل اور بھی بگڑی۔

"بطخا نہیں تو پھر کون ہے۔ کیسے چیختا ہے گلا پھاڑ کے" میں نے کہا۔

"واہ اس کی تو اس قدر مردانہ آواز ہے۔ اتنا اچھا اسپیکر نکلے گا" طفیل شرمائیں۔

"اچھا۔ آ۔ اہیں اہیں" ہم سب نے طفیل کو گھسیٹ مارا۔

"آپ لوگ تو ظاہری شکل و صورت پر جاتی ہیں۔" طفیل نے بی اے میں فلسفہ لیتے لیتے چھوڑ دیا تھا۔

"اور پیٹ کے گن اس کے تم جانتی ہوگی۔" میں نے جل کر کہا اور-----

---

"رنگ!" مجھے سانولی یا کالی رنگت سے چڑ ہے۔

"لوہو رنگ سے کیا ہوتا ہے" عذرا کی اور میری ایک گھڑی نہیں بنتی۔

یہی اس وقت ہوا۔
"جی ہاں رنگ کا سوال کیوں نہ کریں ہوتا کیوں نہیں؟" میں نے دقیق بحث شروع کی۔
"اور کیا ہوتا کیوں نہیں گھر میں کالے کالے تمباکو کے ڈھمے بچے لڑھکتے پھریں"
"توبہ میں تو گلا گھونٹ دوں" نفاست پسند نمبر 2 زہرہ بولیں۔
"تو کوئی ہم تمہاری بات لے کر جارہے ہیں اس کے لئے" میں نے کاٹ کی۔
"تم اپنی اپنی کہو۔ میں تو خیر اتنی کالی بھی نہیں۔" زہرہ نے اپنی سفید جلد کو سرخ کر کے کہا "سفید جلد' چینی سے زیادہ سفید جلد----"
"میں کہتی ہوں یہ نوٹ لئے جارہے ہیں یا بر دکھوے ہورہے ہیں۔" عذرا نے ڈانٹا۔
"وہ گیا بھینگا" سعید بولیں۔
"کہہ دیا کتنی دفعہ کہ وہ بھینگا نہیں' بھینگا نہیں کل ہی میں نے ادھر سے دیکھا تھا۔ بالکل سیدھی تارا جیسی آنکھیں ہیں" میں نے زخمی شیرنی کی طرح بپھرنا شروع کیا۔
اور وہ---- وہ جو ہے--- وہ کیا نام ہے ذرا گنجا سا" عذرا باوجود کوشش کے نام نہ یاد کرسکی۔
"اونہہ بخشو گنجے سے تو۔" میں منہ پھیلا کر بینچ پر دراز ہو کر اونگھنے کی کوشش کرنے لگی۔
"گنجا بڑا خوش قسمت ہوتا ہے" میں نے کہا تاکہ طفیل نے فلسفہ لینے کا پختہ ارادہ کر کے چھوڑ دیا تھا۔
"معاف کرو بابا ہم بد قسمت ہی بھلے۔" عذرا نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

اس دن ہم میں سے کسی کا دل نہ لگا نہ ہی نوٹ لئے۔ نہ لیکچر سنا۔ کیا سنتے۔

مندرجہ بالا اقتباس میں بیان کے بے ساختہ پن اور زبان کی لطافتوں کے علاوں جو چیز سب سے نمایاں ہے وہ موضوع کی نزاکت سے فن کار کی عہدہ برآئی ہے کون نہیں جانتا کہ عورتیں بھی انسان ہوتی ہیں اور تعلیم یافتہ لڑکیاں فطرت کی سوتیلیاں نہیں ہوتیں کہ وہ انہیں ان تمام ذہنی جولانیوں اور جذباتی کیفیتوں سے محروم رکھے جو وہ اس فراخدلی سے اپنے بیٹوں کو بانٹتی ہے۔ لیکن غضب ہے کہ ہمارے ہاں آج تک اس حقیقت کے اظہار کی خفیف ترین کوشش کو بھی نہایت ناپسندیدگی سے دیکھا گیا ہے شاید اس لئے کہ سوسائٹی اپنے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود عورت کو اب تک انسانی درجہ دینے پر تیار نہیں ہوئی یا شاید اس لئے کہ خود طبقہ نسواں نے چند مسئلہ مسائل بتانے والی خادماؤں یا ہفتہ وار "زنانہ" پرچوں میں جواب لکھنے والی انشا پردازوں کے سوا کوئی ایسی جری مفکر اور کوئی ایسی دلیر راہبر پیدا نہیں کی جو اسے آزادی فکر کے ساتھ ساتھ جرات سخن سے بھی آشنا کرتی۔ عصمت نے اپنی موجودہ کاوشوں سے ہمارے سماج کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اس نے عورت کو وہ باتیں سوچنے اور بیان کرنے کا راستہ دکھایا ہے جنہیں وہ اب تک اپنے نفس کی گہرائیوں میں محسوس کرتی تھی لیکن جن کے اظہار پر اسے قدرت نہیں تھی بلکہ جنہیں شاید وہ سوچتے ہوئے بھی ڈرتی تھی اور خوبی یہ ہے کہ فن کار نے زندگی کی یہ مستور حقیقتیں ایسے اور بے ضرر طریقے سے پیش کی ہیں کہ ہمارے اوسط درجے کے پڑھنے والے جو ہمارے جھوٹے اور ادنی ادب کے تکلفات اور تصنعات کے عادی ہوچکے ہیں اس نئے میوے کو چکھ کر بے مزہ نہیں ہوتے بلکہ آہستہ آہستہ اس سے لطف اندوز ہونے لگتے ہیں۔ موضوع کو سلیقے سے نبھانے کی یہ حیرت انگیز قدرت مجھے اردو کے کسی اور مصنف میں ایسی فراوانی سے نظر نہیں آتی۔ ایک مثال دیکھئے: ۔

گیارہ بارہ برس کی دو لڑکیاں جن میں سے ایک مالکن اور دوسری دھوبن کی لڑکی ہے۔ جنس کی ابھرتی ہوئی کیفیتوں سے متاثر ہو رہی ہیں۔ دھوبن کی بیٹی مالکن کے جوان لڑکے کی نظروں میں سما چکی ہے اور آگے چل کر اپنے مقام زندگی کی مخصوص کیفیتوں کا شکار ہو جائے گی۔ مالکن کی بیٹی اپنے اندر جو ایک مبہم سی کمی محسوس کرتی ہے اس کے اظہار میں فنکار نے اعجاز دکھایا ہے۔

"اے ہے۔ یہ کیا ہے؟" بھیا نے نفرت سے پسی ہوئی اینٹ کی ڈھیری کو جوتے سے بکھیر کر کہا۔ ان کی اجلی قمیض بھی خراب ہوگئی۔ وہ اسی پر چڑھ بیٹھے تھے۔ "یہ تو سیندور ہے، ہم نے بنایا ہے" میں نے فخر سے کہا۔

بھیا انگلی سے سیندور سے کھیلنے لگے اور اپنے پیر سے گیندا کا پیر دبایا۔

"لا میں تیرے لگاؤں" بھیا نے سیندور لے کر گیندا کے لگا دیا۔

"اوں" اور اس نے ہتھیلی سے سیندور چھٹا دیا۔

"بھیا گیندا تو بدھوا ہے، وہ سیندور کب لگاتی ہے" میں نے اپنی قابلیت جتائی۔

"لگائے گی کیسے نہیں چڑیل!" اور انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر پیچھے دھکیلا۔ اس نے اپنا منہ چھپا لیا۔

"گیندا! پھر میں تجھ سے بولوں گا بھی نہیں۔" اور گیندا نے آخر کو منہ کھول ہی دیا۔

گیندا!" بھیا نے اس کے قریب سرک کر کہا "بیاہ کرے گی؟"

"ہٹ" اور وہ شرمائی میں بھی حرص میں شرمانے کی کوشش کرنے لگی۔

"گیندا!" بھیا نے برآمدے سے پکارا۔ "یہ کوٹ استری کے لئے لے جا"

وہ میری طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ کر مسکراتی ہوئی چلی۔ گیندا کیسے چلی تھی جیسے لچکی جا رہی ہو۔ میں جب چلتی تھی تو دھپا دھپ جیسے گھوڑا دوڑ رہا ہو۔ میں تو ---- اونہہ میرا جی گھبرانے لگا اور میں جل کر باغ میں پانی دینے کی ہودی میں ایک لکڑی اٹھا کر گھنگولنے لگی۔ صبح کی پیسی ہوئی گیندا کا سیندور اب

وہیں پڑا تھا- بھیا نے گیندا کے تو لگایا اور میرے لگاتا شاید بھول گئے- بھول کیوں گئے، جان کر ہی نہیں لگایا- حالانکہ میں ان کی سگی بہن ہوں اور گیندا---- وہ تو ان کی کوئی بھی نہیں ہے- مجھے بھیا سے نفرت ہوگئی اور میں زور زور سے لکڑی ہلانے لگی-

"ہاں ہاں کیا کرتی ہو بی بی" میوہ رام نے پیچھے سے آکر کہا-

میں غور سے میوہ کو دیکھنے لگی- میوہ بھی تو میرا کوئی نہیں- میں نے سوچا مگر میں اس کے ہاتھ دیکھ کر اداس ہوگئی- کیا مجال جو یہ کمبخت ذرا اپنے ہاتھ مانجھ کر میل چھڑا لے- ہر وقت مٹی کھودتا رہتا ہے مگر خیر-

"میوہ!" میں نے نرمی سے کہا "ذرا یہاں آ" اور میں غور سے لکڑی میں سے بوندیں ٹپکتی ہوئی دیکھنے لگی-

"کیا؟" وہ لاپروائی سے مڑا اور ٹوپی آنکھوں پر سرکا گدی کھجانے لگا-

"یہ------- یہ سیندور میرے ماتھے پر لگا دے" میں نے لجاجت آمیز لہجہ میں حکم دیا-

"یہ سندور ہے" وہ گھے گھے ہنسنے لگا اور چلا مڑ کر-

"سن بھئی---- میں تو---- میوہ---- ذرا ٹھہر جا" ایک نئے خیال کے ماتحت میں نے کہا-

"کیا ہے بی بی؟" وہ ذرا سا مڑ کر بولا-

"میوہ--- بیاہ کرے گا-" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا-

"بیاہ! میرا تو بیاہ ہو بھی گیا" وہ کھرپی کا دستہ پیڑ کے تنے سے ٹھونکنے لگا-

"کب؟" میں نے مردہ آواز سے کہا-

"ارے رام! مدتیں گجر گئیں-" اس نے ایسے کہا گویا کوئی بات ہی نہیں-

"اچھا تو بدھوا ہے" میں نے فیصلہ کیا-

"ارے نہیں" وہ ہنسنے لگا- "کون کوٹھریا میں مالن بیٹھی ہے-"

"کیا مالن سے تیرا بیاہ ہوا تھا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہوں" اور وہ چل دیا۔

اچھا تو وہ بڑھیا جسے میں میوہ رام کی اماں سمجھتی تھی اس کی بیوی تھی۔ "کیسی عجیب دنیا ہے"۔ میں نے سوچا اور پھر ہودی میں لکڑی ڈال کر زور زور سے گھمانے لگی------ میں نے جھک کر اپنا گریبان سونگھا کہ شاید وہاں بھی کسی عطر کی خوشبو ہو۔ مگر دور دور کہیں خوشبو کا نام نہ تھا۔ ہاں صبح جو سالن گر گیا تھا۔ البتہ اس کی بساندھ تھی۔ میں چڑ گئی۔

نفسیات طفلی اور اس کے نازک ترین پہلو یعنی جنسی نشوونما پر ایسا ماہرانہ عبور کوئی معمولی بات نہیں ہے لیکن اس سے بھی حیرت انگیز بات فن کار کی وہ صفائی ہے جس سے وہ ایسے موضوع کو اس خوبی سے قابو میں لاتی ہے کہ ذوق سلیم پر کوئی اشارہ یا کنایہ گراں نہیں گزرتا۔ ہاں خوب یاد آیا۔ عصمت کے آرٹ کی ایک بہت بڑی خوبی اس کی کنائیت ہے۔ اس طلسم کی مدد سے وہ بہت سے دشوار گزار مرحلے چٹکیوں میں طے کرلیتی ہیں اور بہت سی ان کہی باتیں محض ایک اشارہ سے اس طرح سمجھا دیتی ہیں کہ دوسرے کے ہزار الفاظ بھی اس خوبی سے نہیں سمجھا سکتے۔ انتخاب' سانپ' تاریکی خدمت گار اور کافر ان کی اس کنائیت کے کمالات سے بھرپور ہیں۔ کاش میں ایک مختصر مقدمہ کی بجائے ان کے فن پر ایک کتاب لکھ رہا ہوتا۔ پھر آپ کو ایک ایک کنائے کی بہار دکھاتا۔ لیکن کیا کروں دامان نگہ کی تنگی سے عاجز ہوں۔ صرف ایک کنائے کا لطف اٹھاتے جایئے۔

(جاں نثار خادم اور اپنے ابا جان کی چہیتی بیٹی کی گفتگو ہے:)

"کیا دکھ بڑے کٹھن ہوتے ہیں؟"

"ہاں ایک ننگے بھوکے خدمت گار کے لیے" اس نے انگلیاں چٹخا کر کہا۔

"اور جو بھوکے ننگے خدمت گار نہیں ہوتے انہیں کیا دکھ ہی نہیں ہوتا؟"

"کیا ان کو بھی دکھ ہوتا ہے؟" وہ امید بھری آواز میں بولا اور سیدھا ہو بیٹھا۔

"ہاں"

"اور کیا وہ بھی ان ---- وہ بھی ایک امیر اور طاقتور انسان کو دیکھ کر کہ وہ ---- کہ جب وہ ---- اس کو دیکھتے ہیں تو گھنٹوں جلا کرتے ہیں" اس نے چبا چبا کر بے ترتیبی سے کہا۔

"کون سے طاقتور امیر انسان کو؟ رشید کو؟" میں نے شرارت سے کہا۔

"ہاں" اور وہ شرمندہ ہو کر زور سے بولا۔

"تم ---- طاقتور انسان کی یہی تو پہچان نہیں کہ وہ موٹا ہو اور بہت سا روپیہ کھاتا ہو بلکہ ---- بعض ---- بلکہ ----"

میں الفاظ ڈھونڈھنے لگی۔

"بلکہ؟" اس نے شوق سے پوچھا۔

"تم بے وقوف ہو!" میں اسے دور دھکیل کر کہا۔

آقا اور خادم کا رشتہ کبھی کا ٹوٹ چکا تھا۔

(خدمت گار)

اور اب ایک لفظ عصمت کی تشبیہات کے متعلق۔ افسانوی ادب میں تشبیہات محض زیبائش سخن کا کام نہیں دیتیں بلکہ ایک مخلص فن کار کے استعاروں اور تشبیہات کو تاثرات کے خزانوں کی کنجیاں کہا جاسکتا ہے۔ وہ چپکے سے اس تحت الشعور میں سے نکلتی ہیں اور نہایت خاموشی اور بے تکلفی سے اپنی جگہ پر جا بیٹھتی ہیں۔ ایسی تشبیہیں ادب کے انمول جواہر ریزوں کا درجہ رکھتی ہیں۔ عصمت کے ہاں ان کی بہتات ہے اور وہ اس اعتبار سے اپنے ہمعصروں سے بہت زیادہ خوش قسمت اور صاحب ثروت ہیں۔ وہ انہیں براہ راست زندگی کے معدن سے حاصل کرتی ہیں۔ اسی لئے وہ تصنع اور تکلف سے بری اور ایک اچھوتے کیف سے معمور ہوتی ہیں میں نے چاہا تھا کہ یہاں ان کی

کچھ مثالیں بھی دوں لیکن جب اس ہیرے بھرے خوان پر نظر پڑتی ہے تو نگاہ انتخاب کام کرنے سے جواب دے دیتی ہے۔ اس لئے یہ خوشگوار کام آپ ہی کے لئے چھوڑتا ہوں۔

یہ سطور لکھ چکا تھا کہ اچانک انتخاب' کے آخری صفحے پر نگاہ گئی اور معاً" ایک لاجواب تشبیہ نظر پڑ گئی۔ اب آپ اسے دیکھتے ہی جایئے۔

(خالہ بی درمیانی عمر کی ایک دل شکستہ خاتون ہیں جن کا پریم سپنا پریشان ہوا چاہتا ہے ڈرامے کا آخری منظر آپ کے سامنے ہے)

خالہ بی کچھ دیر حیرت سے اسے جاتا دیکھتی ہیں۔ اس کے جاتے ہوئے پیروں کی آواز کو ایک نغمے کی طرح کان لگا کر سنتی ہیں۔ ذرا دیر میں ان کی نظر اس کی ٹوپی پر پڑتی ہے۔ جو وہ گھبراہٹ میں بھول گیا ہے---- وہ عجب انداز میں بڑھ کر اسے اٹھالیتی ہیں۔ ایک متبرک اور نازک مجسّمے کی طرح اسے دیکھتی ہیں۔ ان کی بڑی بڑی آنکھیں پھیکی ہو کر بند ہونا شروع ہوتی ہیں اور بڑے بڑے بے رونق آنسو رخساروں پر ڈھلک آتے ہیں۔ گردن ذرا پیچھے گر جاتی ہے اور وہ ٹوپی کو آہستہ آہستہ ایسے سہلاتی ہیں۔ جیسے شکستہ ماں اپنے بچے کو ٹٹولتی ہے۔ خالہ بی کی عمران کی بے اولادی اور ان کی پہلی اور آخری محبت کی بدانجامی پر غور کیجئے اور پھر اس نادر تشبیہ کی داد دیجئے۔ عالم کی ٹوپی فن کاری کے جس کمال سے "سمبل ازم" کی تمام منزلیں طے کر کے ادھیڑ اور خوب صورت بیوہ کا بے جان بچہ بن جاتی ہے وہ کچھ عصمت ہی کا حصہ ہے۔

اردو میں جدید انشا یعنی 'ماڈرن ایسے' پر بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ ہمارے ہاں ٹھوس مقالے تو اب کافی تعداد میں نظر آنے لگے لیکن قابل ذکر ایسے بہت کمیاب ہیں۔ موجودہ مجموعے میں دو تین اعلی پائے کے ایسے مضامین شامل ہیں جو انگریزی جیسی ترقی یافتہ زبان کے بہترین ایسے (ESSAY) کے مقابل رکھے جا

جاسکتے ہیں "اف یہ بچے" "بچپن" اور "ڈھیٹ" انشا پردازی کے نہایت قابل قدر نمونے ہیں ان کا ہلکا ہلکا مزاح اور طنز عصمت کے اسٹائل کی ممتاز خوبیوں میں سے ہے اور ہمیں امید ہے کہ انہیں اس صنف ادب میں بھی ویسی ہی کامیابی اور مقبولیت حاصل ہوگی جیسی انہیں افسانہ نگاری کے میدان میں ہوئی ہے۔

اس مختصر تمہید کو ختم کرنے سے پہلے میں ایک بار پھر عصمت کی فن کاری کے ایک نمایاں پہلو کا ذکر دینا چاہتا ہوں اور وہ ان کی کردار نگاری کا کمال ہے۔ ڈرامہ ہو یا افسانہ' وہ اپنے کردار کو انسانیت کا مکمل نمونہ بناتی ہیں یاد رہے کہ میں انسانیت کا لفظ عمداً" اس کے محدود معنوں میں استعمال کر رہا ہوں۔ یعنی میں اسے ماورائے انسانیت اور حیوانیت سے ایک علیحدہ چیز تصور کرتا ہوں۔

عصمت اپنی تخلیقات میں کوئی معیاری ہستیاں پیش نہیں کرتیں۔ وہ محض گوشت اور خون کے پتلے ہمارے سامنے لاکھڑے کرتی ہیں جن میں محاسن ومعائب کا ویسا ہی قدرتی امتزاج ہوتا ہے اور کمزوریوں اور خوبیوں کی ویسی ہی نفسیاتی ترکیب پائی جاتی ہے جیسی حقیقی دنیا میں دیکھنے والوں کو قدم قدم پر ملتی ہے۔ اسی لئے اوسط درجے کے پڑھنے والے جنہیں افسانوی ادب میں آئیڈیل شخصیتوں سے دو چار ہونے کی ایک عادت سی ہے عصمت کے افسانوں میں بعض اوقات ایک مایوسی اور تلخی سی محسوس کرتے ہیں مجھے یاد ہے کہ جب ان کا افسانہ "نیرا" پہلے پہل چھپا تو مجھ سے ایک بہن اور کئی پڑھے لکھے لوگوں نے اس کی بدانجامی کی شکایت کی۔ کیونکہ اس سے ان کا وہ معیار چور چور ہوتا تھا جو ایک ستم رسیدہ الھڑ لڑکی کی سیرت کے متعلق عوام پسند افسانہ نگاروں نے قائم کر رکھا ہے وہ غالباً" یہ چاہتے تھے کہ نیرا خودکشی کر لے یا جوگن بن جائے اور ہوا یہ ہے کہ جب اس کے بہکانے والے محبوب نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تو نیرا:۔

نہ روئی نہ پیٹی۔ اس نے خاموش ہو کر ایک طرف ڈال دیا۔ وہ اسے دیر تک چمکارتا رہا۔ "میں سال پر تمہیں روپیہ بھیج دیا کروں گا۔ تم بڑی سکھی رہو

گی۔"

"سکھی، سکھی تو وہ کبھی رہی ہے نہ رہے گی۔ ہاں یہ چند ماہ اس کی زندگی میں ہمیشہ ستاروں کی طرح جگمگاتے رہیں گے ایک بار سہی' پر اس نے سکھ دیکھ تو لیا اوروں کی طرف دیکھو جنہیں یہ بھی نہیں ملتا۔

اسے بچھی کا خیال آیا۔ دھتکاری ہوئی کتیا کی طرح اپنے بچے کو لٹکائے کونے کونے میں منہ چھپائے پھرتی ہے کہنے کو تو یہ گنوار بڑے غریب ہیں' پر ایسی باتوں میں نہ جانے کدھر سے شرم آنے لگتی ہے۔ کچھ نہیں تو "عزت عزت" ہی پکارنا شروع کردیا۔ وہ گاؤں تو نہ جائے گی۔ پھر کہاں؟"

روپا کی سرد ہوئی دکان چل نکلی اور نیرا اس کی ہوگئی تندرست جسم اور چمکے ہوئے گالوں سے اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ یہی ایک عورت کی دولت ہے چاہے وہ لونڈی ہو چاہے رانی' جب تک بدن چست ہے اور گال چکنے ہیں سب کچھ ہے اور پھر؟ پھر تو کچھ بھی نہیں۔ نیرا کو گمان بھی نہ تھا کہ وہ سوائے گوبر تھاپنے اور گھاس چھیلنے کے کسی اور مصرف کی بھی ہوسکتی ہے اب یہاں تو اس کی یہ حالت تھی کہ کیا امیر اور کیا غریب ہر ایک کے لئے اس کے آشرم کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ ایک چھوڑ دس سندر' بیس سیتل اور ان گنتی سیٹھ موجود تھے۔ جب شہر کے نوجوان اور تندرست لوگ اپنے اجڑے ہوئے گھر یا سڑی بسی چرخ بیویوں سے عاجز آجاتے تو سکون قلب کی تلاش میں اسی کے در کی خاک چاٹتے۔

کبھی ایک آدھ تھکا مارا مرگھلا سا کلرک دو چار ٹوٹی ہوئی بیڑیاں جیب میں ڈالے اس کے دربار کرم سے بخشش چاہتا تو روپا بھیڑنی کی طرح اس پر غرا کر دوڑتی اور وہ جلی کٹی باتیں کہتی کہ وہ اپنا سا منہ لے کر چل دیتا تو نیرا کا جی بے چین ہوجاتا۔ اگر وہ روپا سے نہ ڈرتی ہوتی تو اس مردہ دل دکھی کو پکڑ کر واپس

لے آتی اور اس کا تھکا ماندہ سر اپنے معطر سینے سے لگا کر اسے تسکین دیتی۔ وہ بھی تو کبھی دکھی تھی'

ایک سندر نے اسے بیوی نہ بنایا تو کیا ہوا کیا مرغ نہیں ہوتا تو اذان نہ ہوتی اب وہ سارے جگ کی بیوی تھی۔ ایک چھوڑ دس سندر' بیس سیتل موجود تھے۔ پر جب کوئی نیا مہمان آتا تو وہ کسی سوچ میں پڑجاتی۔ مقدس آگ کے گرد وہ بھانوریں پڑتے دیکھتی اور اپنا سر ایک نئی دلہن کی طرح جھکا لیتی اور وہی آگ ایک دم بھڑک اٹھتی اور پھر سکھ ہی سکھ! اور پھر سکھ کیا ہوتا ہے؟ سب ہی آتے تھے۔ پر سندر اس کا سب سے پہلا سندر کبھی نہ آیا۔ نہ جانے وہ کہاں تھا' شاید کسی نئی نیرا کے سنگ! مگر نیرا کو اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ ماضی کے متعلق سوچ سکے۔ حال اور مستقبل ہی اس کے لئے بہت تھے اور پھر اس کی نئی ساڑھی میں فیتہ بھی تو نہیں لگا تھا۔۔۔

زندگی' بے رحم زندگی کی الجھنوں کا نفسیاتی حل اس ٹکڑے میں فن کار نے پیش کیا ہے۔ اپنی حقیقت نوازی کے لحاظ سے وہ یقیناً" بے مثال ہے اور اس کا سب سے خوبصورت پہلو نیرا کی بظاہر کمزور سیرت کی وہ تڑپا دینے والی کیفیت ہے جس کے زیر اثر وہ روپا سے نہ ڈرتی ہوتی تو ضرور اس مردہ دل دکھی کو پکڑ کر واپس لے آتی اور اس کا تھکا ماندہ سر اپنے معطر سینے سے لگا کر اسے تسکین دیتی وہ بھی تو کبھی دکھی تھی۔" کردار نگاری کی ایسی کامیاب مثالیں ہمارے ادب میں بہت کمیاب ہیں۔

اور اب آیئے اس چمن بے خزاں کی بہاروں میں کھو جائیں۔ آپ پہلی بار اور میں خدا جانے۔۔۔۔۔۔

فسادی

ایک ایکٹ کا ڈرامہ

افرادِ ڈرامہ

عزت: بائیس سالہ لڑکی۔ صندلی رنگ۔ معمولی نقشہ۔ بھولا بھالا چہرہ کسی قدر حسین۔ بہت جلد ہر بات کا یقین کر لیتی ہے۔ ذرا ڈرپوک اور دوسروں پر بھروسہ کرنے والی' زود رنج۔

الماس: بیس سالہ گوری چٹی تندرست لڑکی۔ طبیعت میں چلبلا پن۔ ناک پر غصہ بات بات پر روٹھنا اور آنسو بہانا' بول چال بند کرنے کی عادت۔ گانے کی شوقین' خوش آواز عزت کی چچا زاد بہن۔

ایاز: دبلے پتلے' سبک نقشہ' متانت اور سنجیدگی کا مجسمہ' زود رنج مگر صابر۔ کم سخن' جلد گھبرا جانے والا' گورنمنٹ میں اچھے عہدے پر' تازہ تازہ تقرر ہوا ہے۔ عزت کے بچپن کے منگیتر' الماس کے بھائی۔

نشاط: اٹھارہ برس کا جوان جو صرف پندرہ برس کا لڑکا معلوم ہوتا ہے۔ نحیف آواز کا بیمار' سفید رنگ' مگر بلا کی چمکتی ہوئی سیاہ آنکھیں اور غضب کا چرب زبان اور خوش مزاج' نچلا نہیں بیٹھنے دیتا۔ ایاز کا چھوٹا بھائی۔

حورا: دس گیارہ برس کی موٹی تازی سرخ و سپید لڑکی۔ ہر وقت اتراتی اور اماں کے لاڈ کی وجہ سے تھرکتی رہتی ہے۔

جولی: آٹھ برس کا بچہ۔ لڑاکا اور شریر۔ بری طرح چیختا اور بات بات پر لڑتا ہے۔ ہر وقت کھاتا رہتا ہے۔

اماں جان: چالیس پینتالیس سالہ بھاری بدن کی بیوی۔ بہت غصیل' ڈبل چال' اور دبنگ آواز۔ ذرا چالاک' بے وقوف۔ سمجھنے سے پہلے غصہ' پھولی ہوئی سانس مغرور۔

محمود: خوش وضع، جوان، سانولا، تندرست اور ہنس مکھ، بے فکر، تیل کا سوداگر۔ خوب امیر۔ الماس کا منگیتر۔

موسم: آخری جاڑے۔

زمانہ: بس یہی ہمارا اور آپ کا۔

پہلا سین

(عزت کا کمرہ۔ ایک کشادہ کمرہ جو ایک پلنگ، چند کرسیوں اور زمین پر چاندنی اور قالین کے فرش سے مزین ہے۔ ایک کونے میں چوکی ہے۔ دو تین صندوق بھی ہیں جن پر سلیقہ سے جاء نماز یا کوئی کپڑا بچھا ہوا ہے۔ ایک کونے میں ایک لمبی سی کوچ جس کے پاس یہ کھڑی ہے جس میں ایک چاء کی پیالی رکھی ہے۔ عزت کوچ پر اس طرح لیٹی ہے کہ دونوں گھٹنے پیٹ میں اڑے ہوئے اور کوئی کتاب غور سے پڑھ رہی ہے)

ایاز: (خاموشی سے کمرے میں داخل ہو کر نرمی سے) عزت میں نے تمہیں بارہا منع کیا ہے کہ اس طرح روشنی کی طرف پیٹھ کر کے نہ پڑھا کرو مگر......

نشاط: (صوفہ کے قریب والی کھڑکی سے چڑھتے ہوئے جملہ پورا کرتا ہے) تم مانتی ہی نہیں۔

ایاز: (نشاط کی طرف ایک دم مڑتے ہوئے) نشاط احمد میں نے تم کو بارہا منع کیا ہے کہ اس طرح اچکوں کی طرح کھڑکیاں اور دریچے نہ پھلانگا کرو مگر.....

عزت: (آہستہ سے) تم مانتے ہی نہیں۔

نشاط: قبلہ بھائی جان میں نے آپ کو بارہا منع کیا ہے کہ مجھے یہ اسمی مجموعہ نشاط احمد قطعی پسند نہیں۔ مگر آپ ہمیشہ نشاط "احمد" ہی کہتے ہیں۔ آپ مانتے ہی نہیں۔

الماس: (جولی کا ہاتھ پکڑے داخل ہو کر) ہم ایک دوسرے کا کہنا بالکل نہیں

مانتے۔ یہ جولی اپنے بھورے جوتے پر سیاہ پالش کئے بغیر نہیں مانتا ذرا دیکھئے گا آپ
کے جوتے کیسے بیہودہ رنگ کے ہو گئے ہیں۔

(جولی اترا اترا کر پاؤں چھپانا چاہتا ہے اور اس کوشش میں اپنے نیکر کو سیاہ
انگلیوں سے میلا کرتا ہے)

ایاز: ارے جولی (ناصحانہ انداز میں) چچ چچ! اتنے بڑے ہو گئے اور اتنے
بد تمیز۔ توبہ توبہ!

نشاط: (چاء کی چھٹی پیالی ایاز کے سامنے کرتے ہوئے) ذرا پہلے ان محترمہ
عزت کو دیکھئے۔ یہ (سگھڑاپا) ہے۔ جولی بچارا تو بچہ ہے اور یہ مکرّمہ تو ماشاء اللہ......

عزت: (شرمندہ ہو کر) تو اس میں کیا پھوہڑپنا ہے؟

نشاط: (طعنہ سے) جی! یہ تو مہا سگھڑاپا ہے (ایاز سے) بھائی جان! قسمت
پھوٹی سمجھو۔ جولی غریب کو ڈانٹ رہے ہو اور عزت صاحبہ کو کچھ نہیں کہتے۔ وہ
بچارا چھوٹا جو ہے۔ مت رو جولی۔ چچ چچ۔ بے چارا روتا بھی تو نہیں۔ مت رو.....

(جولی اپنی دردناک حالت کا احساس کر کے واقعی رونے لگتا ہے)

نشاط: (چمکار کر) مت رو۔ غریب کو ابھی تو بخار آیا تھا جب بے چارے کے
سوئیاں لگی تھیں اور اب ڈانٹ پڑ رہی ہے۔ کیا کرے۔

(جولی زور سے روتا ہے۔ ایاز کچھ کھسیانا کچھ جھنجلایا کھڑا ہے۔ عزت مسکرا
رہی ہے۔ الماس کچھ غضب ناک کچھ پریشان)

الماس: (ایاز سے) واہ بھائی جان اتنا کیوں ڈانٹتے ہیں (جولی کو پکڑ کر لے
جاتی ہے)

ایاز: نشاط تم بڑے وہ ہو۔ آخر ان باتوں سے فائدہ؟

نشاط: (مسکراتا ہوا عزت کے پاس گھس کر بیٹھ جاتا ہے) ہاں تو بھائی کیسے
آپ کی قسمت پھوٹی یا رہی؟

ایاز: (جل کر) چپ رہو نشاط (بڑے بڑے ڈگ بھرتے چلے جاتے ہیں)

نشاط: (عزت کے اور قریب سرک کر) عزت آپا!

عزت: نشاط بھئی ذرا ہٹ کر بیٹھو (ذرا ہٹ جاتی ہے)
(نشاط پھر قریب گھس کر بیٹھ جاتا ہے)
عزت: اونہہ! کھا لیا نشاط تم نے تو (اٹھ کر کرسی پر بیٹھ جاتی ہے)
نشاط: (فوراً کرسی کے ہتھے پر بیٹھتے ہوئے) ابھی کہاں کھایا- ابھی تو چبا رہا ہوں-
عزت: (دھکیلتے ہوئے) ہٹ بھئی یہاں سے-
نشاط: تو خود ہٹ یہاں سے-
عزت: دیکھو نشاط- میں تم سے بڑی ہوں- خبردار جو "تو" کہہ کر بولے-
نشاط: جی ہوئیں بڑی- ایسے بڑے بہت دیکھے ہیں-
عزت: بدتمیز کہیں کا- میں تجھ سے بہت بڑی ہوں- چار برس کے قریب-
نشاط: ہوا کرو- مگر عقل تو نہیں ہے-
عزت: (جل کر) تم تو بس نہ معلوم عقل کے پتلے ہی ہو نا-
نشاط: پتلی دبلی ہو گی تم- ہم تو سیدھے آدمی ہیں-
عزت: ہو گے-
نشاط: ہو گے کیا- ہیں ہی "یہ مستقبل کی چیزیں" تم ہی ہو" تم ہی اس آسرے پر ہو کہ نہ معلوم کیا کیا ہو گی- ایاز کی بیوی ہو گی ------ میری خدا نہ کرے بھاوج ہو گی ------ رم سرنا کی........
عزت: (تھپڑ مار کر) بس چپ الو کہیں کا- زبان ہے قینچی-
نشاط: دیکھو اگر ہم ماریں گے تو اپنی بزرگی لے آؤ گی-
عزت: بھئی نشاط کیوں دق کرتے ہو- جاؤ نا-
نشاط: ہوں- اور جب غرض پڑتی ہے تو؟
عزت: بھیا میرا دماغ مت چاٹ- خدا کے واسطے جا- یا اللہ!
نشاط: (طعنہ سے) یا اللہ- بے چاری کو اپنا گھر یاد آ رہا ہے- وہاں تو کوئی بھی دماغ نہیں چاٹتا- مت رو- ہم اب تجھے دق نہیں کریں گے-

عزت: پھر وہی تو تڑاق۔ نشاط مہربانی سے میرے کمرے میں سے نکلو ورنہ ......

نشاط: کیا کیا۔ ورنہ..... لم ٹنگو سے شکایت کر دو گی۔

عزت: (جڑ کر) ہائے خدا۔ تم نہیں جاؤ۔ میں خود ہی غارت ہو جاؤں گی۔

نشاط: بسم اللہ۔

(عزت بھناتی ہوئی جلتی ہے)

نشاط: اچھا نہیں۔ اب نہیں عزت آپا (جھک کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر) آپا آپا!

(آہستہ سے پیار کر لیتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ لیکن دروازے سے ہی لوٹتا ہے)

ارے سنو تو عزت!

عزت: (دھیان نہ دیتے ہوئے) کیا ہے بھئی؟

نشاط: سنو، کیا تمہیں یہ لم دراز خاں پسند ہیں؟

عزت: (چندھیا کر) کون لم دراز خاں؟

نشاط: (ہاتھ نچا کر) کیسی بنتی ہو۔ ارے وہی جو تمہارے گلے پیدا ہوتے ہی باندھ دیئے گئے۔ چڑی کے غلمٹے کی شکل۔ کیا خوب نام ہے۔ ایاز! غلمٹے!

عزت: (ہنسی کو دباتے ہوئے) اپنی تو شکل دیکھو۔ سوئے جیسی ناک، مرتنگڑے کہیں کے۔

نشاط: مجھ غریب کی تو ناک آنکھ کا سوال ہی نہیں۔ مگر پھر بھی خاکسار کی ناک ان کی بٹے جیسی ناک سے بدرجہا بہتر ہے۔ کیوں جھینپتی ہو۔ کہہ دو۔ "قائل ہو گئی" ناک واقعی خطرناک جسامت کی ہے۔

عزت: کوئی نہیں۔

نشاط: ارے ہم خوب جانتے ہیں۔ وہ خود تم سے نفرت کرتے ہیں۔ اجی وہ کیا تم پر مرتے ہیں۔ وہ تو چچی جان کا دل رکھنے کو مجبوراً تمہیں قبولیں ہی قبولیں۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ ورنہ ان کی تو کالج میں مس پربھاکر سے بہت ہی .....

عزت: (بے طرح ذلیل ہو کر) تو یہاں کون مرتا ہے ان کے لئے- ان کی مس پربھاکر ہوں یا کوئی ہوں-

نشاط: بھئی چچی جان کی دل شکنی کا خیال ہے-

عزت: (خودداری سے) معاف کیجئے چچی جان کا دل خاک نہیں ٹوٹے گا- وہ ہزار دفعہ انکار کر دیں- اونہہ!

نشاط: جی معلوم ہے بس رہنے دیجئے-

عزت: نشاط! (غصہ سے کھڑی ہو جاتی ہے)

نشاط: عزت! (کھڑکی والے صوفے پر دراز ہو جاتا ہے)

(عزت کتاب اٹھا کر ساڑھی سنبھالتی ہوئی تیزی سے باہر نکلنے کے لئے بڑھتی ہے دروازے پر گھبرائے ہوئے ایاز سے ٹکر ہو جاتی ہے کھسیانی ہو کر لوٹ آتی ہے)

(نشاط منہ اور ناک بچوں کی طرح چھپا چھپا کر ہنستا ہے)

ایاز: عزت تمہارا قلم؟

عزت: (نرمی سے) نہیں- نشاط کہتے ہیں...... (نشاط کھڑکی میں کود جاتا ہے) کہ انہوں نے آپ کو دے دیا-

ایاز: مجھے ارے!......... رے بھئی نشاط........ لو وہ غائب ہو گیا- نشاط احمہ.......!

(دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہے)

نشاط: (کھڑکی میں نیم دراز) ہوں....... (معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے) کر دی شکایت اپنے چہیتے سے! (ہاتھ چلا کر) کیا کر لیا انہوں نے- بڑے گولی ہی تو مار دی نا؟

عزت: (مجرمانہ لہجہ میں) میں نے شکایت تو نہیں کی تھی-

نشاط: (منہ بنا کر) "میں نے شکایت تو نہیں کی" بڑی معصوم بنتی ہیں- کون مسخرہ ان سے ڈرتا ہے (اندر آ کر) جاؤ سو مرتبہ شکایت کرو- نہیں دیتے قلم- کر لو

کچھ۔

عزت: بلا سے نہ دو۔ مگر میری جان چھوڑ دو (بے توجہی سے پڑھنے کی کوشش کرتی ہے)

ایاز: (دروازے سے) ارے نشاط! تم نے مجھے تو عزت کا قلم نہیں دیا۔

نشاط: (مصنوعی حیرت سے) نہیں دیا۔ ارے تو شاید عزت آپا کو دیا ہو گا۔ میں نے دیا کسی کو ضرور ہے۔

(عزت نشاط کی مکاری پر حیرت سے مسکراتی ہے)

(جولی دوڑتا ہوا آتا ہے اور ایاز کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرتا ہے۔ حورا نیم گریاں ٹھنکتی ہوئی پیچھے پیچھے آتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو کھسوٹنے لگتے ہیں)

نشاط: ہیں۔ ہیں۔ ارے حورا دیکھ...... بس...... دوست جولی بھئی اب کے مارا اور میں نے تمہیں ٹھونکا۔ ارے بس۔ با۔ آ..... آ...... س

(بیچ بچاؤ ہو جاتا ہے)

ایاز: تم دونوں کیوں لڑ رہے ہو؟

حورا: پہلے اس نے...... آں..... آں..... وہ بورڈ الٹ دیا...... اور لے کے......

جولی: (تیزی سے) بے گین.... خود تو مارا...... آپی تو الٹا..... اور جھوٹا نام ہمارا لگا رہی ہیں۔ ہم نے تو..... واہ...... آں......

حورا: نہیں۔ نہیں ہم اسے مار کے رہیں گے۔ چاہے کچھ ہی ہو جائے۔ اس نے مارا ہی کیوں (جھپٹتی ہے)

نشاط: (دونوں کو علیحدہ کرتا ہے) ارے رے رے کون کھائے لیتے ہو۔

اماں جان: (ایک غمناک چنگھاڑ سنائی دیتی ہے) ارے یہ کیوں حورا ڈکرا رہی ہے۔ ہیں۔ (سانس پھولی ہوئی دروازہ میں نظر آتی ہیں) میں کہتی ہوں..... یہ.....

حورا: اماں...... ں - یہ جولی نہیں مانتا..... (دکھ بھری آواز سے روتی ہے)
نشاط: بیٹا جولی آ گئی تمہاری موت - اڑو (چٹکی بجا کر) چل...... بھاگ
....
(جولی تیر کی طرح دوسرے دروازہ سے غائب - اماں جان حورا کو گھسیٹتی اور سارے گھر پر بڑبڑاتی چلی جاتی ہیں - ایک سکون سا کمرے میں چھا جاتا ہے - گویا مطلع صاف ہو گیا)

دوسرا سین

(نشاط کا کمرہ - ایک پلنگ پر نشاط چادر اوڑھے لیٹا ہے - آہٹ پر سوتا بن جاتا ہے - عزت دبے پاؤں آتی ہے اور آہستہ آہستہ تازہ اخبار کے ورق الٹنے لگتی ہے - دوسرا دروازہ آہستہ سے کھلتا ہے اور ایاز پنجوں کے بل داخل ہوتا ہے اور عزت کی پشت پر سے جھک کر اخبار دیکھنے لگتا ہے - عزت چونکتی نہیں - ایاز کا بایاں رخسار عزت کے بالوں سے چھو رہا ہے اور عزت کے میز پر رکھے ہوئے ہاتھ سے ناخن سے ایاز نادانستہ کھیل رہا ہے - ایاز کچھ جھک کر کان میں کہتا ہے - جس کا جواب عزت بہت آہستہ سے دیتی ہے - دونوں مسکراتے ہیں - ایاز کچھ اور کہتا ہے جس کا جواب عزت صرف نظروں سے دیتی ہے - نشاط کی چمکیلی آنکھ بار بار جھپک رہی ہے - کبھی ایک کبھی دوسری - الماس کے بھاری قدموں اور گنگنانے کی آواز آتی ہے - ایاز اسی دروازہ سے واپس چلا جاتا ہے - الماس ایک کھٹکے کے ساتھ داخل ہوتی ہے -"
نشاط: افوہ..... (گویا الماس کے گانے سے بیدار ہوا ہے) اونہوں - دماغ اڑا دیا - بھئی آپا کئی دفعہ کہا کہ خدا کے واسطے یوں نہ لہکا کرو - جگا دیا لے کے -
الماس: (مجرمانہ مگر مسکرانے کے انداز میں) لو...... واہ میں نے کیا کیا

(سر پھر ہلکی لہروں میں شروع کر کے)

نشاط: (اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے) ارے آپا تم نے جگا دیا۔ شکر ہے......... ورنہ آج تو ختم ہی ہو گئے تھے۔

الما: کیوں (گیت برابر نہایت مردہ سروں میں جاری ہے)

نشاط: بڑا ڈراؤنا خواب دیکھ رہا تھا۔ کیا دیکھا کہ کمرے میں ایک چڑیل گھس آئی اور کاغذوں کو کھڑ بڑ کھڑ بڑ کرنے لگی۔ اتنے میں ایک بھوت آگیا اور دونوں میں وہ خاؤں خاؤں لڑائی ہوئی کہ خدا کی پناہ.... اتنے میں تم نے گانا شروع کر دیا۔ (عزت سب کچھ سمجھ کر گویا سنا ہی نہیں)

الماس: (کچھ نہ سمجھ کر) ہٹو...... جنے کیا بک رہے ہو۔

نشاط: سچ کہتا ہوں آپا! تمہارے بابو جی کی قسم!

الماس: (ذرا تنک کر) ذرا ہوش میں۔ کون میرے بابو جی!

نشاط: ارے خدا کے لئے آپا بچارے بابو جی کو نہ بھول جانا۔ ورنہ بے موت مر جائیں گے ارے وہی تمہارے وہی تمہارے والے بابو جی، وہی جن کے پاس صرف ایک پتلون ہے جو کہ پہلے سفید تھی مگر اب نہایت سبک کنشمشی رنگ کی ہوتی جا رہی ہے۔ لو اب بھی نہیں سمجھیں! وہی جو تیل بیچتے پھرتے ہیں۔ بابو محمود خاں۔ تمہارے منگیتر۔ آپا مار ڈالے گا۔ یاد رکھنا بھوکا رکھے گا کنجوس۔

الماس: (بے طرح چراغ پا ہو کر) واہ۔ جیسے خود تو بڑے لاٹ صاحب ہو نا ------ بڑے رئیس اعظم گھر کے۔ وہ تیل کے مرچنٹ ہیں...... بیچتے پھرتے ہیں......... ہنہ.....

نشاط: چولہے میں ڈالو اس تیل والے کو۔ بڑا کنجوس ہے۔ ایک سگریٹ نکال لو تو فوراً کھٹ کھٹ گن لے گا۔ آپا ایک ساڑھی میں سال پکڑوا دے گا۔ بڑا گرو ہے وہ چالاک!

الماس: (جل کر) تم خود بھاڑ میں جاؤ..... الو...... (بھناتی ہوئی چل دیتی

ہے)

عزت: (جاتے ہوئے) توبہ ہے نشاط۔ بچاری الماس کو خفا کر دیا۔ محمود تو ایسا اچھا آدمی ہے۔

نشاط: تو پھر تم محمود ہی سے کیوں بیاہ نہیں کر لیتیں۔ چھوڑو ان سارس صاحب کو!

عزت: (اپنی آفت آتی دیکھ کر) نشاط تمہاری عقل تو خراب ہو گئی ہے۔ (تیزی سے چلی جاتی ہے۔ نشاط زور کا قہقہہ لگاتا ہے)

تیسرا سین

(عزت کا کمرہ۔ عزت کرسی پر بیٹھی آگے پیچھے جھول رہی ہے۔ تصویروں کا ایک البم گھٹنوں پر کھلا رکھا ہے۔ نشاط مقررہ کھڑکی سے چڑھتا ہے)

نشاط: (کھڑکی میں سے گلدان ایک طرف پھینکتے ہوئے) یہ راستے میں کیا کھڑاک لگا رکھا ہے؟

عزت: یہ راستہ ہے بندروں کا راستہ کھڑکیاں اور روشندان ہوتے ہیں۔

نشاط: اور اونٹ کا؟

عزت: (فوراً سمجھ کر بنتے ہوئے) کیسا اونٹ؟

نشاط: اب الماس کی طرح آپ غریب اونٹ کو بھی بھول گئیں! ----- دلاؤں یاد!

عزت: نشاط جاؤ۔ بس فوراً جاؤ۔ چلو۔ میں تمہاری ایک بات نہیں سنتی۔

نشاط: (بہت ہی قریب ہو کر بیٹھتے ہوئے) یہ لو (ایک کتاب دیتا ہے)

عزت: (سب بھول کر) ارے کہاں سے لائے؟ (ہاتھ بڑھاتی ہے)

نشاط: (رکھائی سے) کیسی مطلبی! ارے منہ دھو جا کے پہلے لکس سے۔ پھر آنا۔

عزت: (ذرا ہٹ کر) اتراتے کیوں ہو۔ کہاں سے ملی؟

نشاط : (کتاب دیتے ہوئے) کہاں سے ملی تمہیں کیا اس سے۔ اجی سارے شہر میں ڈھونڈی۔ لائبریری سے ملی۔ سارا دن سائیکل پر رگڑا ہوں۔ تب ہاتھ آئی ہے۔ تمہارے وہ (کندھے جھکا کر منہ چڑاتا ہے) بھلا تمہارے لئے اتنا دوڑتے۔ خیر ان کی کیا۔ وہ تو بچارے مجبور ہیں۔ میں نے مس پربھاکر کو دیکھا ہے اس قدر اسٹائلش لیڈی ہے کہ بس کیا بتاؤں۔

عزت : اونہہ۔ ہوا کریں۔

نشاط : جی ہاں۔ ہوا کریں۔ اب تو غریب بھائی جان کی قسمت پھوٹ ہی گئی۔ چچی جان کا دل رکھنے کو.....

عزت : نشاط میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ کسی کا دل نہیں ٹوٹا کرتا۔ معاف کرنا میری اماں ایسی گری پڑی نہیں ہیں۔ چچی نے ہی خوشامد کی تھی۔

نشاط : ہاں ہاں میں کب کہتا ہوں..... چچی ہی تو اپنے بیٹے کی دشمن ہیں۔ سچ کہتا ہوں اماں جان بھائی جان سے بہت کم محبت کرتی ہیں۔

عزت : (اپنی ہتک کی انتہا محسوس کرتے ہوئے) ایاز میں ایسے کون سے لعل جڑے ہیں۔ کیا دنیا میں کوئی دوسرا ہے ہی نہیں!

نشاط : بے شک بے شک۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تم خود ان سے نفرت کرتی ہو۔ "دوسرا" بے شک ان سے بہتر ہے (اپنے سینے پر انگلی رکھتا ہے)

عزت : (اس کا مطلب سمجھ کر ہنستی ہے) چل بدتمیز۔

ایاز : (حورا کا ہاتھ پکڑے آتا ہے) عزت! بھئی آج فلم دیکھنے چلو گی؟

نشاط : آپ کا حکم اور یہ نہ مانیں مجال نہیں۔

ایاز : (اپنے مطلب کو الٹے معنوں میں لیتا دیکھ کر) میرا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ ضرور ہی جائیں۔

نشاط : (معنی خیز لہجہ میں) ہاں کوئی خاص ضرورت تو نہیں۔ مس پربھاکر جائیں گی؟

ایاز : (مسکرا کر) ہاں شاید۔ مجھے ٹھیک نہیں معلوم۔

(عزت کا چہرہ تمتما جاتا ہے)

ایاز: بھئی حورا نے مجبور کیا ہے کہ اس فلم میں ان کی روحانی دوست شرلی کام کر رہی ہے۔ لہٰذا وہ ضرور جائے گی۔

نشاط: تو بھئی عزت تو جائیں گی۔ میرا کچھ ٹھیک نہیں۔

عزت: (جلی کٹی آواز میں) جی نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔

ایاز: (عزت کے لہجہ سے چونک کر) کیوں؟ آخر وجہ؟

عزت: (کڑک کر) اپنا دل۔ کیا کوئی زبردستی ہے؟

ایاز: (چڑ کر) زبردستی کی نہ ضرورت' نہ کسی کو شوق۔ ہر ایک کو اپنے اوپر پورا اختیار ہوتا ہے۔

عزت: ہوتا نہیں ہے بلکہ ہے۔

نشاط: بھئی میرے پاس تو ایک پائی بھی نہیں جو سینما جاؤں۔

حورا: (چونک کر ایاز سے) بھائی جان میری پائی۔

ایاز: ارے...... تم ہی کو تو دے دی تھی........ یہیں تو تھی..... میں ابھی تو اچھال رہا تھا۔

حورا: واہ۔ ہمیں نہیں دی۔ ہماری پائی (ٹھنکتی ہے)

ایاز: (ڈھونڈھتے ہوئے) ارے بھئی نہ معلوم کہاں گئی۔ ابھی تو تھی۔ اچھا حورا ہم دوسری لا دیں گے۔

حورا: (مچلنے کی دھمکی دیتے ہوئے) آں..... آں ہم تو وہی سی لیں گے۔ اپنی چمکتی ہوئی۔

نشاط: نہیں بھئی حورا ضد نہ کرو۔ بے کار ہے۔ اب تو وہ جھمجھاتی ہوئی تمہاری عمدہ والی کھو گئی۔ اب تو کالی ہی لے لینا۔ دوسری...... کالی....... مت رو.......

غریب چیختی بھی تو نہیں۔ ہائے کیسی چمکیلی تھی جیسے ستارہ۔ اس نے صبح سے زمین پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر چمکائی تھی۔ چپ رہ حورا۔

حورا: (دردناک آواز میں دھاڑتی ہے) آں ہماری پائی۔ ہم تو آپ سے لیں گے۔

ایاز: کہتا تو ہوں کہ دوسری لا دوں گا۔

نشاط: مگر اس چمکتی ہوئی کو کیسے بھولے۔ خیر اب وہ کالی ہی لے لے گی۔ لے لو حورا کالی کلوٹی ہی لے لو........ (چمکارتا ہے۔ حورا دھاروں دھار روتی ہے۔ ایاز پریشان کھڑا ہے)

اماں جان: (دبنگ آواز سنائی دیتی ہے) ارے یہ کون حورا کو مارے ڈالتا ہے۔ چین نہیں لینے دیتے۔ (دروازے میں سے) یہ کیا قصہ ہے (دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کے)

میں کہتی ہوں میری قسمت کا چین ہی اڑ گیا ہے ہوا کیا؟

نشاط: (جلدی سے) اماں جان حورا کی چمکتی ہوئی پائی بھائی جان نے کھیلتے کھیلتے نہ معلوم کہاں کھو دی۔ اب اسے کالی دے رہے ہیں وہ ذرا رنجیدہ ہے۔

اماں جان: (جھلا کر) ایاز میاں بوڑھے ہو گئے مگر بچوں کی چیزوں کی اب بھی ضرورت ہے۔ آج کو پائی چھینی کل کو ننھی کی چُنّی چھین لینا۔

ایاز: (جز بز ہو کر) اماں جان..... آپ تو خواہ مخواہ......

نشاط: بھائی جان گستاخی معاف۔ بزرگوں کو اس طرح نہیں دھمکاتے "خواہ مخواہ" بھلا اماں خواہ مخواہ آپ کو کیوں دق کریں گی۔

ایاز: چپ رہو نشاط۔ تمہاری بک بک ہر جگہ......

اماں جان: (روہانسی ہو کر) ارے میاں (سرد آہ بھر کر) مجھے کیا ذلیل کرو گے۔ خود خوار ہو گئے تمہارے چھوٹے تمہارے جوتیاں لگائیں گے (بھنائی ہوئی چلی جاتی ہیں) (ایاز کچھ جھلایا، کچھ شرمندہ، کچھ سراسیمہ بیٹھا رہ جاتا ہے)

نشاط: (گویا کچھ ہوا ہی نہیں) ہاں تو بھئی عزت سینما جاؤ گی پہلے شو میں یا.....

عزت: (تیزی سے) میں نے کہہ دیا میں قطعی نہ جاؤں گی۔

نشاط: تو بھائی جان پر کیوں غصہ ہوتی ہو۔ انہیں ویسے ہی اماں جان نے کیا کم ڈانٹا ہے۔

ایاز: (عاجز آ کر) نہ جاؤ کون کہتا ہے۔ (بڑبڑاتا چلا جاتا ہے)

عزت: (ضبط سے) ہوتے غصہ تو میرا کیا بگاڑ لیں گے۔

نشاط: اور کیا۔ عزت کا کون کچھ بگاڑ سکتا ہے کیوں ہے نا؟ (جھک کر اس کی آنکھوں میں غور سے دیکھتا ہے) عزت آپا رو رہی ہو۔ واہ بھئی واہ (جھک کر اس کے بالوں کو چوم لیتا ہے اور پھر رخسار) عزت کے آنسو!!

چوتھا سین

(عزت اپنے کمرے میں صوفے پر لیٹی ہے۔ کمرے میں صرف ایک ہلکا بلب جل رہا ہے۔ قریب میز پر ایک گلاس ٹھنڈے پانی سے بھرا رکھا ہے جس میں سے عزت کبھی کبھی ایک گھونٹ پی کر ویسے ہی رکھ دیتی ہے)

نشاط: (آہستہ سے داخل ہو کر ایک دم بجلی بجھا دیتا ہے) لو اب پڑھو چین سے۔

عزت: (گھبرا کر) ارے میرا دل اندھیرے میں بہت گھبراتا ہے۔ بھئی خدا کے لئے بجلی جلاؤ۔

نشاط: (بجلی جلا کر) تو پھر تم لیمپ سے کیوں نہیں پڑھتیں (دوسرے کمرے سے لیمپ لا کر رکھ دیتا ہے۔ گلاس ہٹا کر صوفے پر رکھ دیتا ہے)

عزت: آج تم نے شاباشی پانے کا کام کیا ہے۔

نشاط: کیا پڑھ رہی ہو۔ ہمیں بھی سناؤ (ذرا سی جگہ میں صوفے پر لیٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ گلاس الٹ جاتا ہے اور دونوں بھیگ جاتے ہیں)

عزت: اف بے وقوف کہیں کے۔ سارا بھگو دیا۔

نشاط: میرا نام لگا دو۔ میں نے بھگویا ہے کہہ دو ہاں۔

عزت: (اس کے جھوٹ پر متعجب ہو کر) نشاط اور پھر کس نے پانی کا گلاس یہاں رکھا؟

نشاط: تم نے عزت۔ ارے کیا اس قدر جلدی باتیں بھول جایا کرتی ہو۔

عزت: انتہا ہے تمہارے جھوٹ کی۔

نشاط: اچھا ٹاس کر لو کہ کس نے گلاس رکھا۔ (جیب سے پائی نکال کر) بولو

ہیڈ یا ٹیل!

عزت: (مذاق سمجھ کر) ہیڈ۔

نشاط: (پائی اچھالتا ہے) اہا۔ ہیڈ۔

عزت: (ہنستی ہے) ارے نشاط یہ پائی تو حورا کی ہے۔

نشاط: خوب! میری ہے۔

عزت: چل جھوٹے۔

نشاط: چل جھوٹی۔

عزت: نشاط میں تم سے بہت بڑی ہوں۔ تمہیں میرا ادب کرنا چاہئے۔

نشاط: بالکل غلط۔ ہم ایک سرے سے تمہاری بزرگی کی تھیوری ہی نہیں مانتے کون کہتا ہے کہ تم مجھ سے بڑی ہو۔ بالکل غلط۔

عزت: تمہارے کہنے سے چھوٹی ہو جاؤں گی۔ جاؤ اب میں پڑھوں گی۔ جاؤ۔

نشاط: (دوسرے کمرے میں جاتے ہوئے) ہم باجہ بجائیں گے۔

عزت: (کتاب ڈھونڈھتی ہے، صوفہ پر، میز پر، اور کتابوں میں، صوفہ کے نیچے، ادھر ادھر نہیں ملتی) ارے میری کتاب کہاں گئی نشاط؟

نشاط: (دوسرے کمرے میں باجہ بجاتے ہوئے) خاموشی سے سنو! کتنا عمدہ ریکارڈ ہے۔

عزت: خاک بھی اچھا نہیں۔ اگر میری کتاب!

نشاط: (باجہ اٹھا کر لاتا ہے (تو تم ہی کوئی اچھا سا بجاؤ۔

(عزت بہت احتیاط سے ایک ریکارڈ لگاتی ہے۔ نشاط اس کی سریلی آواز پر رقص کرتا ہے۔ عزت داد طلب نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ نشاط رقص کرتا کرتا عزت کے پاس آتا ہے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر رقص کرتا ہے۔ عزت ہنس رہی ہے ایک دم اس کے دونوں ہاتھ چھوڑ کر کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے زور سے بھینچ لیتا ہے۔ عزت تھوڑی دیر ہچکچاتی ہے۔ پھر آہستہ سے اس کے ہاتھ اٹھ کر نشاط کی پیٹھ پر جاتے ہیں اور ایک پل کے لئے اس سے چمٹ جاتی ہے لیکن فوراً بچھو کی طرح کوئی

ڈنک سا اس کے دل میں مارتا ہے اور نشاط کو زور سے دھکا دے کر فوراً دوسرے کمرے میں بھاگ جاتی ہے۔ نشاط زور سے تالی بجا کر ہنستا ہے۔ عزت تھوڑی دیر کے لئے قائل ہو جاتی ہے کہ نشاط اس سے بڑا ہے بڑا .... بہت بڑا)

پانچواں سین

(عزت کمرے میں بیٹھی کچھ سوچ رہی ہے۔ نشاط کھڑکی میں سے چھلانگ مار کر آتا ہے۔ عزت چونک پڑتی ہے)

نشاط : ہم سمجھ گئے۔ بولو بتائیں؟

عزت : (رکھائی سے) کیا سمجھ گئے۔ کچھ ہو بھی۔

نشاط : بھوکی ہو۔

عزت : ہٹو بھی۔

(جولی بسکٹ ہاتھ اور منہ میں لئے آتا ہے نشاط اُسے شکاری نظروں سے دیکھتا ہے)

نشاط : ارے جولی بس بھسکے جاتا ہے۔ ایک دن تیرا پیٹ ضرور پھٹے گا۔

جولی : (اترا کر) آں ہماری انگلی تو آپا نے بچا دی تھی۔

نشاط : ہوں........ تو اب یہ زخم پر مرہم تھوپ رہا ہے (لہجہ بدل کر) بھئی ہمارا جولی تو بس لاکھوں میں ایک ہے۔ یہ عزت آپا بچاری بھوکی ہیں۔ انہیں سب بسکٹ دے دے گا۔ حورا کبھی نہیں دیتی۔ بڑی کنجوس ہے۔ عزت تم نے یہ نہیں دیکھا کہ بے مانگے چیز دے دیتا ہے۔ اب یہ بسکٹ جو لئے ہے وہ ہمیں بے مانگے دے دے گا۔ اور خود اور لے آئے گا۔ خود دے دیتا ہے۔ مانگنے کی ضرورت کب ہے۔

جولی : (اکڑ میں آکر) لیجئے ہم اور لا دیں۔ ہیں! لا دیں؟

نشاط : وہ تو تم لا ہی دو گے۔ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ جولی غضب کا تیز ہے وہ چلا۔

(جولی شیخی میں آ کر بے تحاشہ دوڑتا ہے- دروازہ پر بہت زور کی چوٹ لگتی ہے اور گر پڑتا ہے رونا چاہتی ہے کہ نشاط کہتا ہے)

نشاط : حورا صاحبہ گرتی ہیں تو فوراً بھیں بھیں روتی ہیں- جولی چاہے کتنے زور کی چوٹ لگے کبھی نہیں روتا وہ اٹھ بیٹھا- وہ کھڑا ہو گیا بھی-وہ ہنس بھی رہا ہے (جولی ضبط کر کے اٹھتا ہے- زبردستی کی ہنسی ہنستا ہے اور چلا جاتا ہے- عزت بے تاب ہو کر ہنستی ہے)

نشاط : عزت کہو کیسا شکار کیا ہے-

عزت : ہٹ بچے سے چھین لیا- فریبی- میں تو نہیں کھاتی-

نشاط : اپنے بس نہ کھاؤ گی (زبردستی بسکٹ ٹھونس دیتا ہے- سارا بسکٹ کا چورا عزت کے منہ پر لگ جاتا ہے جو ہنس بھی رہی ہے اور غصہ بھی ہے)

اماں جان : بھاڑ میں جائیں بسکٹ- تیرے باوا نے دوکان لگا دی ہے جو ہر وقت بسکٹ بسکٹ- ابھی جو دیا تھا........ کیا نشاط نے لے لیا- اوئی! یہ نشاط کا دماغ کیوں چل گیا (دندناتی ہوئی داخل ہوتی ہیں) نشاط بیٹا یہ کون سا ڈھنگ ہے کہ......

نشاط : (نہایت سلجھی ہوئی آواز میں) اماں جان ذرا پہلے میری سنئے- عزت کو بھوک لگ رہی تھی- انہوں نے ذرا سا بسکٹ لے کر کھا لیا-

اماں جان : (چونک کر' بسکٹ کا چورا منہ پر دیکھ کر' ہونے والی بہو کے اچھے اطوار نہ دیکھ کر) اوئی' عزت نے جولی سے بسکٹ لے لیا- کیا گنجینہ میں تالا پڑا ہے خود نکال لیں-

نشاط : اماں جان وہ بے چاری تکلف کرتی ہیں- آپ کھانے پر انہیں اس قدر کم کھلاتی ہیں- انہیں بھوک لگتی ہے-

اماں جان : (بے بات کے الزام سے چراغ پا ہو کر) لو اور اندھیر سنو- میں کیوں کم کھانا دیتی وہ آپ ہی کم کھاتی ہیں-

نشاط : ہاں اصل میں بسکٹوں سے پیٹ بھر جاتا ہے- بھائی جان ہمیشہ لا دیا کرتے ہیں- آج کل وہ بھی نہیں لاتے-

اماں جان : (ہونے والی بہو کی منگیتر سے بسکٹ منگا کر کھانے والی بات کو

سخت معیوب سمجھ کر) اوئی یہ نگوڑا بسکٹوں کا کیا شوق ہے۔ جی چاہتا تھا تو گنجینہ میں سے لے لئے ہوتے (چلی جاتی ہیں۔ عزت جسے اماں اور بیٹے نے بولنے کا بالکل موقع نہ دیا۔ حیرت سے منہ کھولے دیکھتی رہتی ہے۔ نشاط کی ہنسی سے چونک کر موٹے موٹے آنسوؤں سے رونے لگتی ہے۔

چھٹا سین

(ڈرائنگ روم نما کمرہ جس میں دو پلنگ پانچ چھ کرسیاں اور زمین پر فرش پر ہو رہا ہے ایک نیچی سی کوچ پر الماس بیٹھی کچھ سی رہی ہے۔ محمود نیم دراز بظاہر تاشوں کی گڈیاں لگا رہا ہے لیکن الماس سے سرگوشیاں بھی کر رہا ہے۔ اماں جان پلنگ پر لیٹی پیر دبوا رہی ہیں اور انا کے شوہر کے معشوقانہ مظالم بھی سن سن کر ناقدانہ رائے پاس کر رہی ہیں۔ جولی اماں کے کندھے سے لگ منہ سے فٹ بال میں ہوا بھرنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے اور ہر سانس پر ٹھنکنے لگتا ہے۔ بیچوں بیچ قالین پر حورا اور ایاز کیرم کھیل رہے ہیں۔ عزت چوکی کے کونے پر ہاتھوں پر ٹھوڑی رکھے کسی خیال میں غرق ہے)

حورا: واہ...... آں...... بے ایمانی آپ تو سیدھے ہاتھ سے کھیل رہے ہیں۔

جولی: اونہہ۔ ہنک۔ ہنک۔ بھئی ختم ہو گئی۔ کیا کریں جنے؟

الماس: پہلے ہی کہا تھا کہ زرد پر سوائے کالے کے کچھ اچھا نہ لگے گا۔ (عزت سے) کیوں نا عزت آپا (کچھ دکھاتی ہے۔ عزت وہیں سے سر ہلا دیتی ہے)

(نشاط دبے دبے آتا ہے اور فرمانبردار بیٹے کی طرح اماں جان سے لگ کر بیٹھ جاتا ہے)

محمود: ارے بھئی.... کچھ دال میں کالا ہے۔ عزت اور نشاط کی جنگ ہو گئی۔ کیوں بھئی عزت؟

عزت: نہیں نہیں۔ کوئی بھی نہیں۔

نشاط: مجھے کسولی کی سیر تو کرنی نہیں جو لڑتا پھروں۔

محمود: مگر ہوئی ہے لڑائی۔ سنا ہے ایک بسکٹ کے ٹکڑے پر جوتا چل گیا۔ عزت بے چاری نے بڑی مصیبت سے جولی کو پھانس کر بسکٹ چھینا۔ اس پر نشاط کی نیت آ گئی۔ سنا ہے مار کٹائی تک نوبت آ گئی۔

نشاط: آپ سنا بہت کرتے ہیں۔ کون سے کان سے سنتے ہیں؟

محمود: (الماس کی طرف اشارہ کر کے) انہوں نے.......

نشاط: (قہقہہ لگا کر) بھئی خوب اس کا کان تو خوب مروڑیے۔ اجی بالکل گنگ ہو گیا ہے۔

الماس: (ذرا چڑ کر) میں نے تو نہیں کہا کہ جوتا چلایا گیا ہوا۔

نشاط: کچھ بگڑنے کی بات نہیں ہے۔ تیل کا بھاؤ گر رہا ہے (جولی سے) جولی بھیا یہ تو کب تک ہوا بھرے گا۔ لا میں بھر دوں۔

(ہوا بھرنے لگتا ہے)

محمود: بھئی ہم بھی کیرم کھیلیں گے۔ الماس آؤ ہم تم ایک طرف۔

الماس: ذرا ٹانکہ ختم کر لوں۔ جب تک عزت کو لے لو۔

محمد: آؤ عزت!

عزت: جی نہیں۔

محمود: نہیں کیسے (زبردستی پکڑ کر بٹھا لیتا ہے کھیل شروع ہوتا ہے)

نشاط: آؤ جولی ہم تم فٹ بال کھیلیں لیکن بھئی ہاتھوں کی ہے۔

جولی: ہاں بھئی۔

(نشاط اور جولی بیچ میں گیند اچھالنا شروع کر دیتے ہیں۔ بال بار بار عزت کے اوپر گرتی ہے دو ایک دفعہ اس کا پیر بھی نشاط سے بھولے میں کچل جاتا ہے جس کی وہ بہت رکھائی سے معافی مانگتا ہے ایک دفعہ عزت گیند لے کر دور پھینک دیتی ہے نشاط جل کر کھیل بند کر کے کیرم دیکھنے لگتا ہے)

نشاط: واہ بے چاری حورا ہار رہی ہے بے ایمانی ہو رہی ہے۔ صفا۔

حورا: آں........ بے ایمانی۔

نشاط: جناب وہ آپ کے ساتھ نہیں کھیلے گی۔ بلکہ ہمارے ساتھ کھیلے گی۔ وہ

بورڈ الٹ دے گی۔

(حور انچی میں آکر بورڈ الٹ دیتی ہے۔ دوسرا کھیل شروع ہوتا ہے۔ ایاز اور نشاط۔ عزت اور محمود تین دفعہ عزت کی انگلی میں نشاط سے اسٹرائیگر لگتا ہے اور دو دفعہ بورڈ کے نیچے پیر دب جاتا ہے۔ عزت روہانسی ہو کر ہٹ جاتی ہے)

عزت: میں نہیں کھیلتی۔

نشاط: ہارتے وقت جولی بھی یہی کرتا ہے (منہ چڑا کر) ہم نہیں کھیلتے۔

محمود: اچھا بھئی۔ اب کے کچھ گڑبڑ نہ ہوگی۔ عزت یہ بازی ختم کردو۔

(کھیل شروع ہو جاتا ہے)

عزت: (اپنی دانست میں بورڈ ختم کر کے) یہ لیجئے بس!

نشاط: (تلخ لہجہ میں) اور یہ۔ یہ ان دو بدنصیب گوٹوں کو کون ڈالے گا۔ میں!

(عزت شک کی نظروں سے نشاط کو دیکھتی ہے اور کونے میں رکھی ہوئی گوٹوں کو ایک ہی وار میں ڈال دیتی ہے۔ نشاط جولی کے گدگدی کرتا ہے گویا اس نے کچھ دیکھا نہیں)

جولی: بھیا نے یہاں دو گوٹیں نکال کر رکھ دی تھیں۔

عزت: بے ایمان آدمی کے ساتھ میں نہیں کھیلتی۔

نشاط: شکریہ۔ تو پھر کیجئے ادھر سے منہ کالا۔ آپا وہاں بیٹھیں گی۔

عزت: تم خود منہ کالا کرو۔

نشاط: جی! میری اور آپ کی بول چال بند تھی۔ بھئی حد کر دی انہوں نے ڈھٹائی کی میں منہ لگاتا نہیں اور آپ ہیں کہ بولے چلی جاتی ہیں۔

عزت: اور یہ جو بار بار گیند میرے ہی اوپر آکر گر رہی ہے' یہ کیا ہے؟ آخر! میری انگلی میں تمہارا اسٹرائیکر بار بار کیوں لگ رہا ہے؟ بولتے نہیں تو غنیمت ہی تھا۔

نشاط: یہ تو سب اتفاق سے لگ جاتی تھی۔

عزت: لعنت تمہارے اتفاق پر کہ وہ بس میرے ہی لئے رہ گیا ہے۔

نشاط: (آگے جھک کر) تو پھر ملاپ کر لو نا۔ بولو!
عزت: میں تم سے لڑی کب تھی!
نشاط: پھر یہ منہ کیوں کپا ہو رہا ہے؟ (گال پھلا کر نقل کرتا ہے)
(عزت ہنس دیتی ہے)
نشاط: ہاتھ ملا لو۔
(عزت ہاتھ بڑھاتی ہے)
نشاط: (جھجک کر) اس کے ہاتھ کو ایسے دیکھتا ہے گویا اس میں کوئی غلاظت بھری ہے) ٹھہرو بھئی ہم ویسے ہاتھ نہیں چھو سکتے (ہاتھ کو کرتے کے دامن میں لپیٹ کر) لو اب ملاؤ۔
عزت: (بگڑ کر) جب میرے ہاتھ ناپاک ہیں تو پھر ملانے کی ہی کیا ضرورت ہے۔
(پھر لڑائی ہو جاتی ہے)
نشاط: اچھا نہیں (دونوں ہاتھ ملاتے ہیں) نشاط زور سے اس کا ہاتھ دباتا ہے اور خوب جھٹکتا ہے (محمود سے) محمود بھائی میں سمجھتا تھا کہ عزت میں ذرا تو خود داری ہو گی۔ بھئی کمال کی بے حیا ہیں کہ ادھر لڑیں اور ادھر خوشامد کر لی۔
عزت: چل ہٹ!
نشاط: (اور قریب آتے ہوئے) سچ بتاؤ مجھ سے لڑ کر اداس تو بہت تھیں۔
عزت: میں ارے ہٹ بھی مجھے تیری خفگی کی کیا پروا ہو گی۔
نشاط: بھئی یہ تو تم ہی خوب جانتی ہو۔ (دونوں خوب ہنستے ہیں)

ساتواں سین

(عزت گرم شال اوڑھے پلنگ پر لیٹی ہے۔ منہ تمتمایا ہوا ہے۔ حرارت اور زکام ہے۔ کبھی کبھی کھانستی ہے۔ ایاز دوسرے دروازے سے داخل ہوتا ہے اور عزت کے پلنگ کے پاس والی کرسی پر بیٹھ جاتا

ہے)

نشاط: (نہایت نرم آواز میں) عزت کیسی ہو؟

عزت: (جواب میں کھانستی ہے اور اپنا ہاتھ ماتھے پر لے جاتی ہے) درد ہے۔

نشاط: (محبت سے اس کے بالوں اور پیشانی پر ہاتھ پھیرتا ہے) تم ایک ہفتہ میں تو اچھی جاؤ گی۔ کیوں؟ (جواب کے لئے اس کی آنکھوں کو دیکھتا ہے)

(عزت سرہلاتی ہے لیکن آنکھوں میں آنسو ہیں)

ایاز: (کچھ سراسیمہ ہو کر بہت ہی آہستہ سے) کیوں، کیوں؟

عزت: کچھ نہیں (بے چینی سے کروٹ لیتی ہے)

نشاط: (کی آواز باہر سے) جی ہاں۔ عزت کے پاس بیٹھے ہیں۔

(ایاز کچھ گھبرا کر شرماتا ہوا کھڑا ہوتا ہے اور بغیر کچھ کہے باہر نکل جاتا ہے)

نشاط: (اطمینان سے سیٹی بجاتا آتا ہے) ارے تو کیوں اس قدر ٹھونس جاتی ہے جو مرنے لگتی ہے۔

(عزت کچھ چڑ کر مسکرا دیتی ہے)

نشاط: (پلنگ پر اس طرح بیٹھ جاتا ہے کہ ایک ہاتھ عزت کے اوپر سے لے جا کر دوسری طرف پلنگ کی پٹی پر رکھے ہے) بہت گال پھول چکے تھے (گال ہلکے سے نوچتا ہے) میں کہتا ہوں کہ اب بھی تو مجھ سے چوگنے ہیں۔

عزت: دیکھو میں اٹھ کر چلی جاؤں گی اگر تم نے مجھے دق کیا (اٹھنا چاہتی ہے)

نشاط: (نہیں اٹھنے دیتا اور جھک کر گال پر پیار کرتا ہے۔ خاموشی سے اس کے رخسار پر رخسار رکھ دیتا ہے) عزت۔ میری عزت۔ عزت!

(عزت کچھ مسحور سی آنکھیں پھاڑے خلا میں گھور رہی ہے)

(نشاط عزت کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کے ہونٹ چوم لیتا ہے، عزت کانپنے لگتی ہے)

الماس: (گنگنانے کی آواز آتی ہے اور دروازے پر آ کر) نشاط تم تو کہہ رہے تھے کہ محمود عزت کے پاس بیٹھے ہیں۔

نشاط : (ذرا بھی نہ گھبرا کر) میں کھا گیا ان کو۔ ارے چلے بھی گئے وہ میرے آنے سے پہلے۔

(الماس جلتی ہوئی بڑبڑاتی ہوئی چلی جاتی ہے)

ایاز: (دوسرے دروازے سے آکر) نشاط میں سمجھا تم میرے لئے کہہ رہے تھے کہ میں عزت کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔

نشاط: کب؟ (مکاری سے) تو کیا آپ بیٹھے تھے۔ ہوا کیا اس میں!

ایاز: اماں جان ذرا معیوب سمجھتی ہیں۔

نشاط: (جلے کٹے لہجہ میں) اماں جان کس بات کو معیوب نہیں سمجھتیں۔ اس دنیا میں سب ہی ہر بات کو معیوب سمجھتے ہیں۔ اب اگر بجائے آپ کے میں عزت سے شادی کرنا چاہوں تو سب معیوب سمجھیں گے (ایاز کو بے طرح حیران دیکھ کر) اگر الماس، محمود کی بجائے سعید یا ان کے بڑے بھائی سے شادی کرے تو کون معیوب نہ سمجھے گا۔ حالانکہ سعید محمود سے ۹۹ فیصدی زیادہ انسانیت رکھتے ہیں۔ یہ دنیا تو سب باتوں کو معیوب سمجھے گی۔ اب اگر آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں نے ابھی عزت کے رخسار اور ہونٹ چومے تو آپ اسے معیوب سمجھیں گے (ایاز کی حیرانی کو نظر انداز کرتے ہوئے) معیوب سمجھنے کی خوب کہی۔ اب عزت جو آپ کی بہ نسبت مجھ کو زیادہ پسند کرتی ہے کیا یہ معیوب بات نہیں کرتی؟ بالکل معیوب! قطعی معیوب!! اسے کیا حق کہ مجھے زیادہ پسند کرے اور آپ کو کم یا بالکل نہیں۔

(عزت گویا کچھ کہنے اور سننے کی اس میں طاقت نہیں)

ایاز: (کچھ نہ سمجھتے ہوئے) نشاط تم کیا کہہ رہے ہو؟

نشاط: میں وہی کچھ کہہ رہا ہوں جو آپ نے سنا اور سمجھے۔ مگر میں معیوب اور غیر معیوب ہونے کے سوال کو ہی بے ہودہ سمجھتا ہوں۔ یہ سراسر غلطی تھی کہ عزت کے پیدا ہوتے ہی اسے آپ کے ساتھ منسوب کر دیا جائے۔ کیا یہ معیوب نہ تھا؟ عزت کچھ بھی نہ جانتی تھی بے چاری۔ جب سے وہ بڑی ہوئی آپ ہی کو شوہریت کیلئے مقرر کیا ہوا پایا۔ لیکن وہ بھی تو انسان ہے۔ اس کی خود کی بھی تو کوئی آزاد رائے ہے۔ وہ مجھے پسند کرتی ہے خواہ ہفتہ بھر بعد وہ تمہاری قانونا" بیوی ہو

جائے۔

ایاز: (پراگندہ خیالوں کو یکجا کرتے ہوئے) تو نشاط کیا تم سچ کہتے ہو۔ کیا تم عزت کو پسند کرتے ہو؟ تم بچے ہو' عزت سے چار سال چھوٹے ہو۔ تم ابھی ایک طالب علم ہی ہو۔

نشاط: (تلخ ہنسی ہنس کر) یہی تو معیوب بات ہے۔ ایک عمر میں چھوٹا طالب علم اور ایک بڑی لڑکی سے۔ توبہ' توبہ۔ اپنے سے بڑے سے تو محبت ہی نہیں کی جا سکتی۔ جب ہی تو عزت آپ سے محبت نہیں کر سکتی۔

(گویا عزت کمرے میں ہے ہی نہیں)

ایاز: مگر نشاط سوچو تو کیسی عجیب بات ہے' میری عقل.....

نشاط: یہ دوسرا "عجیب" اور بھی گھناؤنا ہے۔ بھائی جان آپ تو دنیا کے غلام ہیں۔ آپ وہی سوچ سکتے ہیں جو دنیا سوچتی ہے۔ اپ کے خیالات تک دوسروں کے غلام ہیں۔ آپ کی عقل اپنی نہیں۔ "ابا جی" اور دوسرے استادوں کی عقل کی نقل ہے۔ آپ بڑے بیٹے ہیں۔ اماں کے ارمانوں کی آماجگاہ ہیں۔ برسر روزگار ہیں' تندرست ہیں۔ عزت کے منگیتر ہیں اور میں! ایک کمزور چھوٹے سائز کا جو ابھی صرف طالب علم ہی ہوں۔ جو بقول عزت "پیلا مینڈک" "روز کاروگی" لیکن معاف کیجئے گا میرے خیالات خود میرے دماغ سے نکلتے ہیں اور وہ آپ کے جھوٹے واہموں سے زیادہ پیچھے' زیادہ بلند مگر زیادہ "معیوب" اور زیادہ "عجیب" ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ ایک عقلمند لڑکی میرے دماغ کی قدر نہ کرے اور آپ پر مجھے ترجیح نہ دے۔ مگر پھر وہی معیوب ہونے کا سوال بیچ میں آتا ہے۔

ایاز: (بے طرح مجروح ہو کر بھاری آواز میں) نشاط تم نے میرا دماغ پریشان کر ڈالا۔ اف! (سر کو دونوں ہاتھوں سے زور سے پکڑتا ہے) کل تک.... نہیں۔ ابھی ابھی.... افوہ..... (عزت سے) عزت نشاط کیا کہہ رہا ہے بولو' کیا سب سچ ہے کہ تمہارے دل میں میرے لئے ذرا بھی جگہ نہیں۔

(عزت دبی سسکیوں سے رونے لگتی ہے)

نشاط: عزت (مذاق کے لہجے میں) یہ سب معیوب ہے۔ تم خواہ کسی کو چاہو۔

مگر منگیتر ازل سے ابد تک تم ایاز ہی کی ہو۔
(عزت تڑپ کر اٹھتی ہے اور جھپٹ کر دوسرے کمرہ میں چلی جاتی ہے)
نشاط: عزت یہ سب معیوب ہے (زور سے ہنستا ہے' ایاز مجروح اور پراگندہ کرسی کا ہتہ پکڑی کھڑا ہے)

آٹھواں سین

(عزت کا کمرہ۔ الماس عزت کے کپڑے تہہ کر کے صندوق میں رکھ رہی ہے۔

سامان سفر نظر آتا ہے۔ چاروں طرف کپڑے' بستر' جوتے' موزے بکھرے ہوئے ہیں اداسی چھائی ہوئی ہے)۔

الماس: عزت اپا' آخر ایسی جلدی جانے کی کیا تھی۔

عزت: الماس میرا دل بہت ہی گھبرا رہا ہے۔ اماں کے دیکھنے کیلئے بہت دل چاہتا ہے (آنسو بھر آتے ہیں)

الماس: تو تم نے تار کیوں دیا۔ بھائی جان کو کچھ پتہ نہیں وہ تک کل شام کو ہی اپنے دوستوں کے ساتھ چلے گئے۔

عزت: ہوں' (کسی خیال میں پڑ جاتی ہے)

نشاط: (آج پہلی دفعہ رنج کے آثار چہرے پر لئے ہوئے آتا ہے اور الماس اور عزت کے قریب والی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے) دنیا نہ معلوم اتنی بزدل کیوں ہے۔ کیوں اتنا ڈر سب پر چھایا ہوا ہے۔ ابھی ابھی انسان ایک بات کہتا ہے اور دوسرے لمحہ میں ڈر کر چپ ہو جاتا ہے۔ ساری ہمت رخصت' آج کل بھی پڑھ لکھ جانے کے بعد لڑکیاں کتنی بزدل ہیں.... ہوں.... ذلیل....

(عزت رحم طلب نگاہوں سے نشاط کو دیکھتی ہے اور پھر کپڑے تہہ کرنے لگتی ہے)

نشاط: آپا الماس کبھی تم نے بھی محمود سے کہا ہے کہ تم اسے چاہتی ہو اور پھر مکر گئیں۔

الماس: (منہ شرم سے لال کر کے) واہ.... چل بد تمیز.... واہ.... دماغ ہی چل گیا۔

نشاط: (ہنس کر) تو اتنی غصہ کیوں ہوتی ہو۔ سچ بتاؤ اسے چاہتی ہو؟

الماس: نشاط! میں اماں جان سے کہہ دوں گی۔ کیسی بری باتیں کرتا ہے۔

نشاط: معیوب نا؟.... پھر وہی بے ہودہ لفظ معیوب!.... افوہ.... آپا تمہیں محمود کی قسم جو تم نہ بتاؤ کہ محمود کو چاہتی ہو کہ نہیں؟

محمود: (دروازے میں سے جھانک کر) ہم بتائیں!

(الماس پھنپھناتی ہوئی اٹھ کر جانے لگتی ہے)

محمود: غصہ کیوں ہوتی ہو بھئی ہم جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ کہا ہے اور دو دفعہ کہا ہے' اور مکریں نہیں۔

نشاط: آہا پھر بھلا میں کہوں تو کیوں بھائی جان خود کشی کی دھمکی دیں۔ اگر میں کہوں کہ میں عزت کو چاہتا ہوں تو کیوں عزت صرف دکھاوے کو مسوری تار دے کر چل دے۔ بتاؤ نا آخر وہ بھی تو مجھے چاہتی ہے۔ محمود بھائی کیا یہ جھوٹ ہے (الماس اور محمود حیرت سے منہ پھاڑے نشاط کو دیکھ رہے ہیں جو روتی ہوئی عزت کو اعتراض کی نظروں سے دیکھ رہا ہے)

محمود: نشاط یہ بہت بری باتیں ہیں۔

نشاط: (جل کر) بہت بری باتیں ہیں اور تم جو کہو تب؟

محمود: ہماری منگنی تو بزرگوں نے کی۔

نشاط: ہاں تم لوگ بیل گائے جو ٹھہرے۔ ان کی شادیاں بھی ایسے ہی ہوتی ہیں۔ تمہارے حقوق صرف اس وجہ سے وسیع ہیں کہ وہ تمہاری عقل سے نہیں ملے ہیں بلکہ صرف دوسروں نے دیئے ہیں اور میرے.... میرے چونکہ خود مختاری پر مبنی ہیں وہ....

محمود: مگر نشاط....

نشاط: عزت بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہے۔ لیکن خود سے نہیں۔ اسی

لئے تو مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ خواہ تم لوگ اسے ایک ہفتہ بعد ہی ایاز کی بیوی بنا دو۔ کچھ فرق نہیں۔ وہ پیدا ہوتے، ہی ایاز کی بیوی بننے کیلئے مقرر کر دی گئی وہ عادی ہے کہ صرف ایاز کی ہی بیوی رہے۔ خواہ وہ نشاط کو چاہے۔ دنیا ڈرپوک ہے۔ اسی لئے وہ بھی ڈرتی ہے۔ اعتراض سے ڈرتی ہے۔ "اعتراض" یہ ایک تیسرا گھناؤنا لفظ ہے۔

نوکر: چلئے گاڑی کا وقت آگیا ہے۔

(الماس اور محمود حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔ عزت بار بار آنسوؤں کو پونچھ رہی ہے۔ نشاط جمے ہوئے قدم رکھتا ہوا عزت کے پاس جاتا ہے اسے محبت سے چمٹا کر پیار کرتا ہے)

نشاط: خدا حافظ، پھر ملیں گے۔ کب؟ دیکھنا ہے۔

(عزت خاموشی سے آنسو پونچھ رہی ہے)
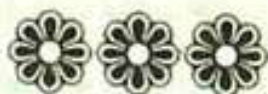
پردے کے پیچھے سے

"دیکھیں ----- دیکھیں ---- ذرا ہٹو تو!" زہرہ نے مجھے قریب قریب پیچھے لٹاتے ہوئے کہا۔ اور اپنی زبردست ناک نعمت خانے جیسی باریک نالی سے چپکا دی اور دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ بالکل ہکا بکا۔ لیکن فوراً" سنبھلی۔ ؟

"اوہو! کوئی بھی نہیں، ایسا تو کوئی حسین بھی نہیں۔ سوکھا مارا۔" زہرہ نے عینک پھڑکا کر کہا۔

"سوکھا! یہ سوکھا ہے؟ ذرا دیکھنا عذرا" میں نے عذرا کو اپنے اوپر لٹایا۔

"کوئی بھی نہیں! ---- مگر وہ ---- ادھر ذرا ادھر" عذرا نے بالکل دوسری طرف ہم لوگوں کو متوجہ کیا۔

"کون وہ داڑھی؟ ---- لعنت!" زہرہ ہٹ گئی۔ میں نے بھی دیکھنے کی ضرورت نہ سمجھی۔

"ارے نہیں وہ ---- ایک ---- دو ----- تین ---- وہ چوتھے نمبر پر ہیں نا زہرہ!" عذرا نے تڑپ کر کہا اور زہرہ کی گردن بالکل دائیں طرف کو مڑوڑ دی۔

"کیا بطخا؟" زہرہ بگڑ گئی۔

"ارے وہ نہیں ---- وہ پچھلی لائن میں ---- وہ ----- دور ---- ہ ----" عذرا نے کہا

"اچھا وہ -میں نے کل ہی دیکھا تھا" طفیل نوٹ بک الٹ کر بولیں تم نے

"ارے وہ کل تھا بھی۔ ہونھ" عذرا کو برا لگا کر کل وہ کچھ نہ دیکھ سکی۔

"لو ---- کل تھا کیسے نہیں!" سعیدہ بھی بول ہی دیں۔

"لو اور لو" ہم سب جل گئے۔ "یہ دونوں کل ہی سے دیکھ رہی تھیں اور ہمیں ذرا جو پتہ ہو۔ اچھا خیر۔"

زہرہ نمبر 2 ہماری مجلس سے باہر دور کونے سے ناک' اٹھائے ایک سفید ہاتھ کو تیزی سے قلم چلاتے دیکھ رہی تھی۔ ہم نے مسکرا مسکرا کر ایک دوسرے کو ٹھوکے دیئے اور سوں سوں ناکیں بجانے لگے۔

"ارے --- ارے۔" میں نے ایک دم مجروح ہو کر کہا۔ زہرہ کبھی اس کے ملٹری نما بوٹ سے میرا پیر کچل گیا۔

میں نے زہرہ اور عذرا کی گردنیں ایسی زور سے بائیں طرف جھکائیں کہ سکھڑے کے تانگے کے کفر شکن جھٹکوں سے تین دن تک دکھا کیں۔

"اچھا --- ہاں --- اوئی --- مگر ہنستا کیسے ہے!" زہرہ نے بہ غور دیکھ کر کہا۔

"ہاں ساری داڑھیں تک نظر آتی ہیں۔" عذرا نے ہاں میں ہاں ملائی۔

"اور کچلی پر سونا کیسے چمک رہا ہے۔" زہرہ نے ناک سکیڑی۔

"لو وہ پھر ہنسا۔ سچ کہتی ہوں کوا تک نظر آگیا" عذرا کھسکنے لگی دور ---

"ہوں --- کوا نہیں تمہیں تو اس کے بھیپھڑے نظر آنے لگے" میں چڑ گئی۔

"اور وہ ----- نیلی شیروانی؟" طفیل اپنی معصوم آنکھیں گھما کر بولی۔

"کون؟ وہ بطخا!" میں نے برا مان کر کہا۔

"کوئی نہیں بطخا تو نہیں ہے وہ" طفیل بگڑی۔

"بطخا نہیں تو پھر کون ہے کیسے چیختا ہے گلا پھاڑ کے" میں نے کہا۔

"واہ۔ اس کی تو اس قدر مردانہ آواز ہے۔ اتنا اچھا اسپیکر نکلے گا۔" طفیل شرمائیں۔

"اچھا --- آ --- آہیں آہیں آہیں" ہم سب نے طفیل کو گھسیٹ مارا۔

"آپ لوگ تو ظاہری شکل و صورت پر جاتی ہیں۔" طفیل نے بی۔ اے فلسفہ میں لیتے لیتے چھوڑ دیا تھا۔

"اور پیٹ کے گن اس کے تم جانتی ہوں گی" میں نے جل کر کہا اور بار بار گر جانے والے پردے کو پن سے اٹھایا۔

"آپ لوگ تو پھر گاندھی جی کو نہ جانے کیا سمجھیں گی" طفیل کی مدد سعیدہ نے کی۔

"بھلا گاندھی جی کو ہم کیوں "کچھ" سمجھنے لگے۔ وہ ہمارے باپ کے برابر ہیں واہ۔ "ہم سب برا ماننے پر تل گئے۔

"جب گاندھی جی دیکھنے کی چیز تھے تب تو انہیں "کچھ" سمجھ بھی سکتے تھے" عذرا بولیں اور مسکرائیں۔

"اور اب وہ دیکھنے کی چیز نہیں" طفیل لڑ پڑیں۔

"تم بھی دیوانی ہو۔ بھئی اس وقت ان کا کیا ذکر ہے اور ویسے تم جو یہ پوچھا کہ وہ حسین ہیں تو ہم ہاں کہنے سے رہے۔ چاہے یہودیوں کی طرح ہندوستان سے باہر کردیے جائیں" انصاف پسند زہرہ بولی۔

"غضب!" زہرہ نمبر 2 پھڑک کر بولیں ہم سمجھے پروفیسر صاحب آگئے اور جلدی جلدی قلم ڈھونڈھنے کے لئے گریبان اور جیبیں ٹٹولنے لگے۔

"وہ" زہرہ نمبر 2 نے نہ جانے کدھر انگلی نچائی۔"وہ------ عشرت صاحب کی بائیں مونچھ کی نوک کی سیدھ میں" سب نے عشرت صاحب کی مونچھ کی سیدھ لی اور غور سے دیکھا۔ پھر سب آہستہ آہستہ اپنی ناکوں کو جالی پر ٹھلانے لگے۔ ہاں بات نئی بھی تھی اور کام کی بھی۔ ایک کھلبلی سی مچ گئی اور ہم ایک دوسرے کے بازو دبانے لگے۔

"رنگت" مجھے سانولی یا کالی رنگت سے چڑ ہے۔

"اوہو۔ رنگ سے کیا ہوتا ہے" عذرا کی اور میری ایک گھڑی نہیں بنتی اور یہی اس وقت ہوا۔

"جی ہاں رنگت کا سوال کیوں نہ کریں۔ ہوتا کیوں نہیں؟" میں نے اپنی دقیق بحث شروع کی۔

اور کیا ہوتا کیوں نہیں۔ گھر میں کالے کالے تمباکوں کے ڈھمے بچے لڑھکتے پھریں توبہ--- میں تو گلا گھونٹ دوں" نفاست پسند نمبر 2 زہرہ کریں۔

"تو کوئی ہم تمہاری بات لے کر جارہے ہیں۔ اس کے لئے" میں نے کاٹ کی۔

"تم اپنی اپنی کہو- میں تو خیر اتنی کالی بھی نہیں-" زہرہ نے اپنی سفید جلد کو سرخ کر کے کہا---- سفید جلد- چینی سے زیادہ سفید جلد-

"شش- شی- شی- حبیب صا---- کھڑڑ کھڑڑ بینچیں سرکیں اور سیاہ شیروانیاں جیسے کھونٹیوں پر لٹک گئیں، سب کھڑے ہو گئے-

"اور قد ڈیڑھ فیٹ" میں نے باہر جھانک کر خوشی سے مڑتے ہوئے کہا عذرا رو دی-

دوسرا سین

"لکس سوپ" سعیدہ بولیں-

"انوسینٹ آئز" زہرہ نے چوٹ کی- سعیدہ شرما گئیں-

"اور- وہ تو----- مجھے کہا ہے" میں نے اٹھلا کر کہا-

"اے چلو---- دھنیا جیسی آنکھیں" عذرا بڑبڑائی-

"اوہو- عینک کی وجہ سے ذرا ویسی لگتی ہیں- یہ دیکھو- میں نے عینک ہٹا کر کوئے تک آنکھیں پھاڑ دیں-

"ہاں مگر انوسینٹ تو ہرگز بھی نہیں جیسے قبر کے بجو کی سی تو آنکھیں ہیں-" زہرہ پر ہذیان کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور میرا جی چاہا سعیدہ کی بڑی بڑی آنکھیں کسی پھنسی پھوڑے سے پٹم ہو جائیں-

"گلشن کہہ رہی تھیں کسی نے انہیں بتایا ہے کہ میرے ہی لئے کمبختوں نے کہا ہے-" سعیدہ اترائی-

"تم مر بھی جاؤ تو تمہارے لئے نہیں کہا- ہم مان نہیں سکتے" میں نے کہا اور سب نے مان لیا-

" اگر کہا بھی ہو گا تو عذرا کو کہا ہو گا-" زہرہ نے رائے دی- عذرا کی زہرہ سے بڑی دوستی ہے

"خیر عذرا کے لئے تو کبھی نہیں کہہ سکتے" عذرا کے لئے کہنے میں سعیدہ کی الو جیسی آنکھوں کی ہتک ہوتی تھی- اس لئے اس کا بڑھنا حق بجانب تھا-

"اے ہے اس چرخ سے تو میری جان جلتی ہے-" میں نے باہر جھانک کر

موضوع بدل دیا۔ اور سب نے جھک کر ایک باریک شکل کی چڑیا جیسی مونچھوں کو گھورنا شروع کر دیا۔

"اے ہے تیل ڈال کر بال کیسے جما لئے ہیں جیسے چپاتیاں"۔ زہرہ نے ناک پھڑکائی۔

امتحان کی وجہ سے بھئی۔" طفیل تو کاش ڈاکٹری پڑھتیں۔

"امتحان کیسا، پٹیوں کا؟" میں نے کہا۔

"نہیں بھئی، تیل سے دماغ روشن ہوتا ہے" طفیل نے کہا۔ "امتحان سر پر آرہے ہیں۔"

"ہاں بھئی سالانہ امتحان کی تیاری ہے" زہرہ میرے خلاف ہو گئیں۔

"ہوں۔ چاہے زندگی کے امتحان میں فیل ہو جائیں" میں نے بڑبڑانا شروع کیا۔

"یہ کیسے؟" دیکھ لینا اول آئے گا۔ فیل کیوں ہو گا؟" سعیدہ کی اور طفیل کی دوستی کی انتہا ہو گئی۔

"فیل ہی ہو گا۔ بھلا ان چپکتے ہوئے بالوں کو دیکھ کر کوئی لڑکی سو میں سے دس نمبر بھی بمشکل دے گی" میں نے اکتا کر کتاب پر ناخونوں سے چار خانہ بنانا شروع کر دیا۔

"مگر محمود تو بھینگا ہے۔" زہرہ ہمیشہ بے تکے سے موضوع بدل دیتی ہے یہی تو اس میں ایک عیب ہے۔

"کوئی بھینگا نہیں" میں نے برا مان کر لڑائی پر آمادگی ظاہر کی۔

بیچ کھیت بھینگا۔" سعیدہ جلدی جلدی نوٹ نقل کرتی ہوئی بولیں۔

"لیکن "اس سے تو اچھا نہیں" زہرہ نمبر 2 نے باہر جھانک کر ہمارے تازہ ترین موضوع کی طرف آنکھ ماری۔

"اب تو بس "اس کی" تو سائیکل کے نیچے ایک دن آ کر مر جاؤ" میں نے جل کر کہا اور طفیل کی ضروری نوٹ بک میں سے کاغذ پھاڑ کر ناؤ بنانے لگی۔

"میں کہتی ہوں یہ نوٹ لئے جا رہے ہیں یا بر دکھوئے ہو رہے ہیں۔" عذرا

نے ڈانٹا۔ "ٹرٹر کئے جارہی ہیں، خاک جو لیکچر سنائی دے رہا ہو" طفیل نے اپنا منا سا پاؤں ڈیسک پر رکھ کر لیٹتے ہوئے کہا۔

ہم نے اسی دن سوچ بچار کے بعد پرنسپل صاحب کو لکھا کہ لیکچر نہ تو ہماری سمجھ میں آئیں نہ سنائی دیں۔ ہمیں چھپے چھپائے نوٹ دیں تاکہ امتحان کے لئے رٹ لیں۔

تیسرا سین

"اس کی تو شادی بھی ہو گئی ہے اور دو تین لڑکیاں ہیں۔" زہرہ نے ماتمی لہجہ میں کہا۔

ارے!" اور ہم سب کے منہ اتر گئے۔

"اور اس نمبر 46 کی منگنی ہو گئی۔ آئندہ سال ولایت جارہا ہے" زہرہ نمبر 2 پر طفیل نے گرز چلایا۔ وہ غریب چھ روز سے ہم سے بہت دور کونے میں بیٹھ کر چپکی نوٹ لیا کرتی تھی۔ ذرا سا منہ نکل آیا بے چاری کا۔

اور وہ۔۔۔۔۔ وہی سا۔" ہم سمجھ گئے "پرسوں اس کے گھر سے تار آیا ہے کہ لڑکا ہوا ہے" زہرہ نے ہچکی ضبط کر کے کہا۔

"اے ہے لڑکا۔" ہمیں کبھی خواب میں بھی یہ سوچنے کا موقع نہ ملا تھا۔ ہم تو سمجھتے تھے۔ خیر۔ "وہ بھینگا" سعیدہ بولیں۔

"کہہ دیا کتنی دفعہ کہ وہ بھینگا نہیں۔ بھینگا نہیں۔ کل ہی میں نے ادھر سے دیکھا ہے۔ بالکل سیدھی تارا جیسی آنکھیں ہیں" میں نے زخمی شیرنی کی طرح بڑبڑانا شروع کیا۔ جی ویسے ہی دکھا ہوا تھا۔

"اور وہ چرخ۔" سعیدہ نے پھر چھیڑا۔

"اور وہ چرخ! ہوں! یوں تو دس داڑھیاں موجود ہیں۔" زہرہ کاٹنے پر تلی ہوئی تھی۔

"تمہیں کیسے معلوم کہ اس کی تین لڑکیاں ہیں" میں نے سوچا شاید۔ شاید کوئی غلطی ہوئی ہو۔

"مجھے اچھی طرح معلوم ہے" نفیس نے بتایا۔ وہ اسے جانتے ہیں۔ کہاں

چھٹی چھٹی تین لڑکیاں ہیں اس کی۔" زہرہ نہ جانے نفس سے کیسی کیسی واہیات خبریں لاکر ہم سب کا دل دکھایا کرتی تھی۔

"رہ گیا بطخا' سو وہ ہم نے طفیل کو سونپا۔" عذرا نے ٹھنڈی سانس لے کر پہلو بدلا۔

"خواہ مخواہ بطخا' وہ سن پائے تو!" طفیل نے دھمکی دی۔

"سن کیا پائے گا۔ تم ہی اس سے جڑ دوگی تو سن لے گا۔ کرے گا۔ کرے گا کیا۔ چارا گلی کھائے گا۔

"اور وہ---- وہ جو ہے۔ وہ کیا نام ہے۔ ذرا گنجا سا" عذرا باوجود کوشش کے نام نہ یاد کر سکی۔

"او نہ بخشو گنجے سے تو" میں منہ پھلا کر بنچ پر دراز ہو کر اونگھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"گنجا بڑا خوش قسمت ہوتا ہے" میں نے کہا تاکہ طفیل نے فلسفہ لینے کا پختہ ارادہ کر کے چھوڑ دیا تھا۔

"معاف کرو بابا ہم بد قسمت ہی بھلے۔" عذرا نے کان پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

اس دن ہم میں سے کسی کا دل نہ لگا' نہ ہی نوٹ لئے۔ نہ لیکچر سنا۔ کیا سنتے!

چوتھا سین

"جنے باہر سے دکھائی بھی دیتا ہے کہ نہیں" زہرہ نمبر 2 نے اپنی سفید انگلیوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

ہم میں سے کئی کو دکھائی دینے کے خیال سے ہی پھریری آئی اور اپنے کھردرے خشک پیروں کو ساڑھی کے کنارے سے چھپا لینے پر مجبور ہو گئے کہ شاید نیچے سے نظر آتے ہوں۔

"نہ جانے کیسا دکھائی دیتا ہوگا" زہرہ نے پھر ایک لمبی سانس لے کر کہا۔

"چلو کچھ بھی نہیں دکھتا ہوگا" میرا دل چاہا۔ کاش نہ دکھائی دیتا ہو۔ رنگ تو شاید نہ دکھائی دیتا ہوگا۔ میں نے اپنے رنگ سے ڈر کر کہا۔

ذرا دیکھیں۔ ہیں جب سب چلے جائیں تو باہر جاکر وہاں سے دیکھیں۔ دکھائی

بھی دیتا ہے یا نہیں" بڑی بڑی ترکیبیں بتایا کرتی ہے۔ ویسے بڑی چپکی ہے۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" سب نے یقین سے کہا۔

تم سب یہاں بیٹھنا اور میں وہاں سے دیکھ کر بتاؤں گی" میں نے رائے دی۔

اور جیسے ہی کلاس ختم ہوئی اور بورڈنگ کی طرف جاتے ہوئے لڑکوں کی قطاریں آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں۔ زہرہ اور طفیل کے کندھے کا سہارا لے کر کھڑکی میں لٹک گئی اور گگر پر پیر اڑا کر اس تختے کو پھاند گئی جو پردے کے لئے کھڑکی میں لگایا گیا تھا۔ ساری کہنیوں پر کھرونچے آئے اور گٹھے الگ چھل گیا۔ نئی وارنش سے دونوں ہاتھ چپچپانے لگے۔ میں ذرا بڑبڑاتی ہوئی اندر کود گئی۔

"ار۔ رے" میں نے حیرت سے منہ پھاڑ دیا۔ "افوہ۔ سب دکھائی دے رہا ہے۔"

سب نے تڑپ تڑپ کر ایک دوسرے کو دھکیل کر سامنے آنے کی کوشش کی۔

"ذرا ٹھیک سے بیٹھو تو دیکھوں بھی" میں نے کرسی پر چڑھ کر کہا اور سب بج بج کر جیسے تصویر کھچوانے بیٹھ گئیں۔

"افوہ---- بالکل صاف۔ میں نے مبالغہ کیا اور سب مسکرائیں۔

زہرہ تم---- تم تو بس صاف "لکس سوپ" اور---- مگر "انوسینٹ آئز" کا پتہ نہیں---- شاید---- شاید---- خیر" میں شرمانے کی کوشش کرنے لگی۔ اندر سے سب نے بغاوت پر آمادگی ظاہر کی۔ شاید میری زیادتی پر۔

"اور سنو تو" میں نے بلوے سے ڈر کر کہا "اور تمہاری ناک زہرہ نہ چپٹی لگے اور نہ ارد کے چھلکوں کی پھلکی جیسی۔ بس کٹارا سی نظر آرہی ہے"

زہرہ نے خوشی سے عذرا کے چٹکی لی۔

"مگر تمہارے پیر سعیدہ اور چپلوں میں کتھی موزے" میں رک گئی۔

"لو میں موزے کب پہنے ہوں" سعیدہ نے شرما کر پیر اونچے کر لئے۔

"سنو تو" زہرہ کے گالوں کی سرخی دھوئے گلاب کی طرح چمکی" ادھر سے تو دیکھو ذرا، وہاں سے "ہم لوگ" کیسے دکھائی دیتے ہیں" وہ ذرا آنکھیں جھکا کر بیٹھ

گئی- تھوڑی اونچی ہو کر-

"کوئی خاص نہیں--- ہا---- آں- مگر تمہارا دہانہ ادھر سے ذرا پھیلا پھیلا نظر آرہا ہے-" میں نے گپ ماری اور جلدی سے زہرہ نے دہانہ سکیڑ لیا-

"اور تمہاری آنکھیں تو دکھائی ہی نہیں دیتیں-" میں نے سعیدہ کا دل دکھایا-

"اور نہ تمہارے بالوں کی لٹیں" میں نے سعیدہ کے بڑبڑانے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے طفیل کو جلایا-

"اور وہاں سے---- وہاں دیکھو" عذرا نے ڈرتے ہوئے کہا-

"کہاں سے؟---- بھینگے کی سیٹ پر سے" میں نے دوسری لائن میں آکر کہا- عذرا ہٹ گئی-

"لاؤ تمہارے نٹھے کی سیٹ پر سے بھی دیکھوں-" میں نے طفیل پر چھینٹا پھینکا-

"اور وہاں سے پروفیسر صاحب کی کرسی کے پاس سے" سعیدہ نے شوق کو چھپا کر کہا-

"اوہو- سعیدہ ہمیشہ اونچا ہاتھ مارتی تھی- ہمت تو دیکھو"

"یہاں سے- یہاں سے تم تو دکھائی بھی نہیں دیتیں-" میں نے جھوٹ بول کر جی ٹھنڈا کیا- سعیدہ نے پورا پردہ ہٹا دیا- مگر میں نے اسے دیکھنے سے قطعی انکار کردیا-

او نہنک اول تو دکھائی نہیں دیتیں- جو ذرا سا دکھائی بھی پڑتی ہو تو بہت کالی، موٹی اور بھدی" سعیدہ نے دوڑ کر پردہ گرا دیا-

سعیدہ موٹی تھی تو کیا تھا- کمزور تو حد سے زیادہ تھی بچاری- لوگ جسم دیکھتے ہیں یہ نہیں دیکھتے جی کیسا ہر وقت خراب رہتا ہے-

"دیکھو میں بتاؤں تم لوگ کیسے کیسے ہر وقت بیٹھا کرو" میں نے میز پر بیٹھتے ہوئے کہا-

"ہاں!" سب شوق بھری آواز سے راضی ہو گئیں-

"دیکھو تم ذرا ادھر سرکو زہرہ---- ادھر---- ادھر بھئی" میں نے اسے دونوں طرف سے روکا اور پھر کہا۔ بھئی اور نہیں ادھر اور ادھر نہیں ادھر"

"او نہ تو کدھر سرکوں بھئی" زہرہ عاجز آگئی۔ سرکتی سرکتی عاجز آگئی پر میری نظر میں نہ جچی۔

"اور تم دائیں طرف سرکو عذرا---- ہاں اور سرکو ذرا۔"

"بھئی---- میرے اوپر کیوں چڑھی چلی آتی ہو، ہٹو" زہرہ اپنی جگہ سے ہل جانے کے خوف سے لڑ پڑی۔

"ارے بہن تو ذرا ادھر ہٹو نا" عذرا نے زہرہ پر لد کر کہا۔

دونوں ایک ہی جگہ پر اڑ کر ایک دوسرے کو بھینچنے لگیں۔

"بھئی کیا مصیبت ہے عذرا" زہرہ غرائی مگر خدا اڑی رہی۔

"اور میں کدھر بیٹھوں؟" سعیدہ نے آہستہ سے پوچھا۔ بچاری مجھ سے ڈرتی تھی۔

"اگر تم طفیل کی جگہ بیٹھو تو صاف اور اچھی دکھائی پڑو"

"ہٹنا ذرا بہن طفیل۔" سعیدہ نے ذرا پیار سے کہا۔

"بھئی میری کتابیں ادھر ہیں" طفیل اپنی جگہ ہاتھوں سے کیوں دیتی، اچھی اور عمدہ جگہ۔

"اے ہے ایسا بھی کیا۔ ذرا سرک جاؤ نا ادھر" سعیدہ نے خوشامد کی۔

"کوئی اور جگہ نہیں ہے جو میرے ہی سر پر چڑھو گی" طفیل چیخی اور ننھے سے جسم کو اکڑا کر۔

"اچھا تم زہرہ نمبر 2 کے دائیں ہاتھ پر آجاؤ" میں نے دونوں دوستوں کی لڑائی سے ڈر کر کہا۔

زہرہ نمبر 2 جھٹ پھدک کر اپنے ہی دائیں ہاتھ پر آن بیٹھی۔

"لو" سعیدہ نے مردہ آواز میں کہا "بھئی کہہ دیا ہم لوگوں میں ذرا بھی دم نہیں۔"

"تو تم عذرا کی جگہ آجاؤ" میں نے رائے دی۔

"بھئی میں کیوں اپنی جگہ سے ہٹوں واہ۔" عذرا بھویں چڑھا کر مسکرائی۔

"اچھا تم وہاں سیڑھیوں کی طرف روشنی میں بیٹھو"۔ میں نے کہا۔

سب رشک سے دیکھتے ہی رہ گئے اور سعیدہ عین روشنی میں اپنا مسکراتا ہوا چہرہ جالی سے لگا کر انتظار میں بیٹھ گئی کہ میں اب بولوں اور اب بولوں۔

میں نے ایک دو دفعہ اِدھر اُدھر جھک کر دیکھا اور منہ بنایا۔

"میں اب بھی صاف دکھائی نہیں دیتی؟" سعیدہ نے امید بھری آواز سے پوچھا۔

"نہیں" میں نے جیسے ذلیل ہو کر کہا اور اس کی مسکراہٹ کس قدر اداس ہو گئی۔ میں نے اسے دیکھ کر ہی نہ دیا۔

چاپ--- چاپ---- چر---- چر----- اور قہقہہ----!

لڑکے دوسری میٹنگ سے واپس آرہے تھے۔ سعیدہ کا بڑا صبر پڑا۔ میں پر کٹی چڑیا کی طرح بینچوں پر چھلانگیں مارنے لگی۔ کرسی اور اس کے اوپر ایک اور کرسی کھڑکی میں آئی۔ ساڑھی چٹخنی میں پھنس گئی اور یہ بڑا کھونٹا صدری میں لگا۔ مگر میں کود پڑی۔ چوڑیاں ٹوٹ کر اندر ہی رہ گئیں اور چُورا میری کلائی میں پیوست ہو گیا وہ تو کہو عینک بچ گئی۔

"دھڑ------ دھڑ---- دھڑ-------" کوئی باہر دروازے کو کوٹ رہا تھا۔ ارے! باوجود اس سیاہی کے اس وقت میں سفید پڑ گئی۔ میں اندر سے دروازہ بند کر آئی تھی۔

سنا ہے دوسرے دن لڑکوں پر ڈانٹ پڑی کہ کرسیوں پر چڑھ کر لڑکیوں کو جھانکتے ہیں۔ بچارے بچے کچھ نہ بولے۔

❀❀❀

سانپ

ایک ایکٹ کا ڈرامہ

افراد

رفیعہ: ہلکی پھلکی تیتری کی مانند' بھوری جان دار آنکھیں اور بات کے ساتھ جنبش کرنے والی بھویں- موٹے بھرے ہوئے ہونٹ اور چپٹی سی ناک مگر رنگ نہایت شفاف- چہرے پر بوقت ضرورت غصہ اور معصومیت دونوں اپنا اپنا رنگ دکھا سکتے ہیں- لوگ اسے حسین کہتے ہیں-

سید: رفیعہ کا بھائی- گورا رنگ' درمیانہ قد' سریع الحسن اور زود رنج- لیکن جلد ہی من جاتا ہے- مگر چہرے گی اور آنکھوں کی بناوٹ ہی کچھ ایسی کہ پتہ نہیں چلتا کہ ابھی غصہ ہے یا من چکا ہے- یہ پتہ نہیں چلتا کہ رفیعہ سے چھوٹا ہے یا بڑا- یقیناً دونوں توام تو نہیں-

خالدہ: گدرا بدن' اگر احتیاط نہ کرے تو گول مٹول ہو جائے- بڑی بڑی غلافی آنکھیں جنہیں وہ جان کر نیم باز رکھتی ہے- گندمی رنگ' پاؤڈر کی مدد سے ذرا کھلتا ہوا سنہرا- پھولے ہوئے گال جن سے معصومیت ٹپکتی ہے اور غصہ تو گویا آتا ہی نہیں- تراشے ہوئے بال گچھوں کی صورت میں شانوں پر پڑے رہتے ہیں- چھوٹے چھوٹے ہاتھ اور بادامی ناخن چلتے میں بار بار معصومانہ غرور سے دونوں شانوں کو دیکھتے ہوئے-

غفار: نہایت حسین اور نازک' اس کے باوجود دراز قد' شاعرانہ چال اور مصوروں کے سے صاف اور ستھرے ہاتھ- ہندوستان میں اتنے دلکش چہرے بہت کم نظر آتے ہیں- یہ رفیعہ کی خوش قسمتی ہے کہ غفار سے اس کی منگنی ہو گئی تھی اور اب شادی میں کچھ زیادہ دیر نہ تھی- اس کے علاوہ اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا- دادی جان کے اصول کے مطابق اپنے گھر اور کالج کے علاوہ آج تک قسم لے لو

کہیں نہیں گیا۔ ہاں سسرال آجاتا ہے۔ یہاں اسے شرم اس قدر آتی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ رفیعہ سے بے تکلف بھی نہیں۔

نوکر: ایسا جیسے عام نوکر ہوا کرتے ہیں۔ فرمانبردار، محنتی، ڈانٹ برداشت کرنے والا۔

وقت: صبح آٹھ بجے، گرمی کے دن۔

لباس: بہترین فیشن کے۔

اسٹیج: صرف ایک کمرہ جس میں سید رہتا ہے اور ایک امیرانہ ٹھاٹھ کا ڈرائنگ روم۔

سید کا کمرہ، کمرے میں دائیں اور بائیں ایک ایک دروازہ پشت پر ایک دروازہ اور کھڑکی۔ جس میں باغ اور پیڑ وغیرہ نظر آتے ہیں۔ ایک طرف ایک پلنگ اور چند کرسیاں اور میزوں پر کتابیں رکھی ہیں۔ ایک آرام کرسی پر سید آگے کو جھکا ہوا شیو کر رہا ہے۔ شیو کا سامان ایک بہت ہی چھوٹی میز پر رکھا ہوا ہے۔ جس پر سے کوئی چیز اٹھانے میں بڑی مہارت کی ضرورت ہے۔ ورنہ دو تین چیزیں اور لڑھکی چلی آتی ہیں۔ سید کے چہرے پر کسی تازہ غم کے آثار ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے وہ بہت کچھ چھپا رہا ہے۔ ذرا میلا سا رات کا لباس پہنے ہے اور بے انتہا سنجیدہ بھویں چڑھائے بیٹھا ہے۔

پہلا سین

رفیعہ: (ایک بادامی رنگ کے کوٹ کے بازو پر ایک پٹی ٹانکتی ہوئی آہستہ آہستہ آتی ہے) لو سید (دانت سے تاگا توڑتے ہوئے) لاؤ اس دودھیا کوٹ کو بھی ٹھیک کر دوں!

سید: (شیو روک کر بھنا کر کھڑا ہو جاتا ہے) ہیں! ٹھیک کر دوں- کیا ٹھیک کر دو گی؟ (عاجز آ کر)..... آخر یہ میرے ہر کوٹ کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو (کوٹ چھین کر) چھوڑو ادھر- آخر یہ کیوں؟

رفیعہ: (سنجیدگی سے ڈورے میں گرہ لگاتے ہوئے) ہوں تو تمہارا ارادہ ہے کہ ابا جان کے انتقال کے بعد ذرا بھی اظہار غم نہ کرو- آخر دنیا کیا کہے گی کہ ایک ذرا سا ٹکڑا لگانا بھی دشوار ہے- لاؤ دودھیا کوٹ کہاں ہے؟

سید: کیا کہے گی دنیا؟ بکنے دو، مجھے یہ دکھاوٹ پسند نہیں-

رفیعہ: تم تو..... بس دیوانے ہو- آخر اس میں کیا برائی ہے؟

سید: ہونے دو مجھے دیوانہ- کیا دنیا میں ہمیں ڈگڈگی پیٹنی ہے کہ بھئی ہمارے باپ کا انتقال ہو گیا ہے- جس کا ہمیں بہت ہی صدمہ ہے- یقین نہ آئے تو لو دیکھ لو کالی پٹی-

رفیعہ: یہ تو میرا مطلب نہیں (کرسی پر بیٹھ کر ناخونوں سے تاگا سونت رہی ہے)

سید: پھر آخر تمہارا مطلب کیا ہے- یہ جو تم نے سیاہ کپڑے پہنے ہیں- خوب جانتا ہوں کیوں پہنے ہیں!

رفیعہ: کیوں پہنے ہیں- ذرا بتانا تو سہی-

سید: اس لئے کہ ذرا گوری نظر آؤ-

رفیعہ: پاگل کیا میں ویسے نہیں پہن سکتی!

سید: (کچھ نہ سن کر تولیہ سے منہ رگڑتے ہوئے) اور دوسرے اس لئے کہ کالج کے لڑکے سوچیں بڑی..... فرمانبردار بیٹی- دیکھو نا کیسا ماتمی لباس پہن رہی ہے بچاری!

رفیعہ: (نفرت سے) اوہو..... قطعی نہیں-

سید: پھر شاید اس لئے کہ لوگوں پر ظاہر کر دو کہ تمہارا مذاق اس معاملے میں شیلا، خالدہ وغیرہ سے بلند ہے، وہ کبھی اتنے میچنگ ماتمی لباس نہیں پہن سکتیں- جتنے

تم پہن سکتی ہو۔

رفیعہ: جھوٹ، بالکل غلط، شیلا اور خالدہ دونوں کے باپ زندہ ہیں۔

سید: (لاپروائی سے) تو مائیں مری ہوں گی۔

نوکر: (دروازے میں آکر دو ایک بار کھنکارتا ہے اور کوٹ کا کالر پکڑ کر کھینچتا ہے) اہم، سرکار.... غفار میاں آئے ہیں۔

سید: (غصہ سے کرسی دھکیلتا ہے) اونہہ! لاحول ولا قوۃ۔

رفیعہ: کیوں یہ آخر اترانے کیوں لگے؟

سید: (ویسے ہی چڑ کر) یہ کہاں کی رسم ہے کہ ایک تو انسان ویسے ہی پریشان ہوا اور اوپر سے لوگ آکر جان کھائیں۔

(ڈریسنگ گاؤن پہن لیتا ہے)

رفیعہ: مگر سید، غفار ہیں۔

سید: (گھٹی ہوئی آواز میں) غفار نہیں اس کا باپ بھی ہو تو کیا کروں۔ مجھے ان پرسہ دینے والوں سے چڑ ہے بار بار گویا چھیڑنے چلے آرہے ہیں۔

رفیعہ: (طعن سے) صبح سے نہ جانے کون کون تمہارے دوست چلے آرہے ہیں۔ تو کچھ نہیں۔ اب غفار کے آنے سے جل گئے۔

سید: (جھلا کر) تم اور مجھے جلا رہی ہو۔ جو بھی آرہے ہیں بے وقوف ہیں۔ مانا کہ غفار تمہارا منگیتر ہے تو اس کے یہ معنی تو نہیں کہ وہ ہر وقت سر پر سوار رہے۔

رفیعہ: (چڑ کر) واہ شرم نہیں آتی۔ سب کے سامنے میرا منگیتر کہہ دیا کرتے ہو۔

سید: اوہو۔ تو گویا آپ شرماتی ہیں نا اپنے منگیتر سے۔

رفیعہ: یوں تو نہ کہو۔ کافی شرماتی ہوں۔

سید: (منہ سکیڑ کر) کافی شرماتی ہو۔ میں کہتا ہوں جب تمہیں اس سے شادی ہی نہیں کرنی تو پھر اس سے چالیں کیوں چلا کرتی ہو۔

رفیعہ: اے ہے سید باؤلے نہ بنو (آہٹ سن کر) شش، چپ!

آہستہ سے پردہ ہلتا ہے اور غفار اندر آتا ہے۔ حسین اور بھولے چہرے کو غم اور گھبراہٹ نے اور بھی معصوم بنا دیا۔ تھوڑی دیر تک بے تکی خاموشی چھائی رہتی ہے۔ تینوں خاموش ہیں۔ سید کا غصہ بھی)

غفار: (سمجھ میں نہیں آتا کیا کرے۔ ہمت کر کے) اف! کس قدر اداسی چھائی ہوئی ہے۔

سید: (کٹتے ہوئے لہجہ میں) معاف کرنا..... غفار! یہی بالکل یہی جملہ تم صبح دہرا چکے ہو۔

غفار: سٹپٹا کر رحم طلب نگاہوں سے رفیعہ کو دیکھتا ہے جو سید کو "تیہا" گھورتی ہے۔

(ہمت کر کے) رفیعہ! آپ کا ارادہ تعلیم جاری رکھنے کا ہے؟

سید: (رفیعہ کے بولنے سے پہلے ہی) کیوں؟ بھلا ایسی کیا خوشی کی بات ہوئی ہے۔ جو یہ پڑھنا چھوڑ بیٹھیں گی۔ خوب!

غفار: (گھبرا کر) یہ میرا مطلب نہیں.... میرا مطلب ہے کہ اماں جان تنہا ہو جائیں گی۔

سید: ہونہہ! جیسے یہ ان کے پہلو ہی سے تو لگی بیٹھی رہتی ہیں۔

غفار: انہیں ایک غم خوار اور ہمدرد کی تو ضرورت ہو گی۔

سید: (جل کر) کس قدر بے وقوف ہو تم۔ بھلا یہ بیگم صاحب اماں جان کی کیا دلجوئی کریں گی۔ بھئی ان کے شوہر کا انتقال ہوا ہے اور یہ قطعی نعم البدل نہیں ہو سکتیں۔

رفیعہ: (تنبیہاً) سید!

غفار: (مردہ آواز میں) بھئی سید! نہ میں تمہاری طرح چالاک اور نہ چرب زبان!

سید: پھر آپ کو ایسی پرسہ دینے کی آفت کیا پڑی ہے۔

رفیعہ: (ڈانٹتے ہوئے) سید! تم تو انسان کے پیچھے پڑ جاتے ہو۔

سید: (لڑائی کے لہجہ میں) تم کون، تم کون غفار کی حمایت لینے والی- اس کے منہ میں کیا زبان نہیں ہے!

رفیعہ: زبان تو ہے تمہاری طرح منہ میں تلوار نہیں ہے- میں کیوں نہ لوں حمایت!

غفار: (ذرا سنبھل کر) اگر رفیعہ میری حمایت بھی لیں تو تمہیں کیا اعتراض ہے، یہ ان کی مہربانی ہے۔

سید: (جل کر) حمایت...... تم...... تمہیں اس سے بہت مہربانیوں کی امید ہے-

رفیعہ: (جلدی سے) سید دیکھو تم نے پھر میرا دل دکھانے کی باتیں کیں- اماں جان کے انتقال کے بعد سے تم بہت ہی وہ ہو گئے ہو-

سید: اونہہ! یہ سب مکاری ہے-

رفیعہ: (روہانسی ہو کر) ہر وقت میرے پیچھے ہی پڑے رہتے ہو-

سید: (جل کر) تمہارے...... تمہارے! ارے کیوں.... بس.... یہ سب ہمدردی وصول کرنے کیلئے ہے.... (اسے واقعی رونے پر تیار دیکھ کر) اچھا بھئی غفار شروع کرو تم اپنی تقریر.... ہاں! کیا کہہ رہے تھے.... کہ بڑی..... وہ اداسی چھا رہی ہے.... ہاں اور کیا؟

(غفار کھسیانی ہنسی ہنستا ہے)

(تھوڑی دیر پھر وہی بے تکی خاموشی)

غفار: (ہمت کر کے) رفیعہ! تمہیں اتنا رنج نہ کرنا چاہئے-

سید: (جلدی سے) اتنا، کتنا؟

(رفیعہ رومال سے آنسو نہیں آنکھیں پونچھتی ہے)

غفار: (سید کی موجودگی کو بھولنے کی کوشش کر کے) رونا نہیں چاہئے رفیعہ- مرحوم کو دکھ ہو گا-

(سید جل کر زور سے ہنستا ہے اور بڑے آئینہ کے پاس جا کر تولیہ سے منہ

پونچھتا ہے اور اپنی شکل اور بال دیکھتا ہے)

غفار: (مستعدی سے) رفیعہ تمہاری صحت پر برا اثر پڑنے کا ڈر ہے۔

(سید بے تاب ہو کر جلدی سے غسل خانہ میں چلا جاتا ہے۔ غفار کو بہت ناگوار گزرتا ہے)

غفار: (جو تنہائی کو بہترین موقع سمجھتا ہے) رفیعہ!..... تمہیں رنجیدہ دیکھ کر جانتی ہو میرا کیا حال ہوتا ہے؟

رفیعہ: (بڑی معصوم آواز میں) اب رنج کرنا نہ کرنا تو اپنے بس کی بات نہیں ہے۔

غفار: (سرگوشی میں) رفیعہ! (گویا اس کے نام میں مزہ ہے۔ ایسے منہ میں زبان پھیرتا ہے) رفیعہ! صبر کرنا چاہئے۔ صبر نہ کرے تو تم جیسا انسان کیا سے کیا ہو جائے۔

سید: (واپس آکر آخری جملہ سن کر) ہوں! پھروہی نخرے! (رفیعہ کو اعتراض کی نظر سے دیکھتا ہے)

غفار: (پہلی دفعہ غصہ ہونے کی کوشش کرکے) سید!

(سید ناک سکیڑ کر سوں سوں کرتا ہے اور چھوٹی میز پر سے سنبھال کر کچھ چیزیں اٹھا کر بڑی میز پر رکھ آتا ہے۔ تھوڑی دیر خاموشی رہتی ہے۔ تینوں پر جھنجھلاہٹ اور بے تکا پن چھا جاتا ہے۔ سید انگلیوں سے کوئی بے سری گت گھٹنوں پر بجا رہا ہے۔ رفیعہ بار بار رومال کا کونہ بدل رہی ہے۔ غفار اپنی انگشتری والی شاعرانہ انگلی کے ناخون کو گھبرا گھبرا کر دانتوں سے ٹٹول رہا ہے)

غفار: (ادھر ادھر دیکھ کر) اچھا تو اب اجازت ہے۔

سید: (چونک کر تیزی سے) بڑی خوشی سے۔

غفار: (ٹکڑ توڑ جواب سے مردہ دل ہو کر) میں.... میں!

(چلا جاتا ہے)

سید: (غفار کے جانے کے بعد) ہونہہ' مکار!

رفیعہ: (بل کھا کر) دیکھو سید تمہاری حرکتیں....

دوسرا سین

ڈرائنگ روم میں رفیعہ بیٹھی شیشے کے مرتبان میں مچھلیوں کو توس ڈال رہی ہے- سید بہت سے خط اور پیکٹ لئے آتا ہے- ایک ایک کو بار بار دیکھتا ہے اور الٹ پلٹ کرتا ہے)

سید: ہم..... الہ آباد سے جواب ہی نہیں آیا-

رفیعہ: (مڑ کر) اہا' ڈاک آگئی' کوئی میرا خط؟

سید: (صوفے پر خطوں کو ڈالتے ہوئے) سب تمہارے ہی ہیں- میرا تو ایک آیا ہے.... یہ مکھن والے کا بل-

(رفیعہ جلدی سے خط اٹھاتی ہے اور کھول کر بڑی تیزی سے پڑھنا شروع کر دیتی ہے- بار بار ہنستی ہے)

سید: رفیعہ! کس کا خط ہے؟

رفیعہ سنتی ہی نہیں' پڑھنے میں مشغول ہے)

سید: (زور سے) میں کہتا ہوں کس کا خط ہے؟

رفیعہ: (سر ہلا کر ٹالتے ہوئے) ایک کا ہے-

سید: آخر وہ ایک ہے کون؟

(رفیعہ دوسرا خط پڑھ کر اور بھی زور سے ہنس دیتی ہے)

سید: (بے تاب ہو کر) میں کہتا ہوں آخر تمہارے پاس اس قدر خط کیوں آتے ہیں؟

رفیعہ: یہ ڈاکئے سے پوچھو' وہی لاتا ہے (مشغول ہے)

سید: نہ جانے کس کس کے خط اور ایسے بے ہودہ بے ہودہ- میں کہتا ہوں بے حیائی کی بھی کوئی حد ہے-

رفیعہ: تم---- تمہیں کون منع کرتا ہے- تم بھی خط منگوا لو- اس سے بھی

بیہودہ خط ----!

سید: مگر میں یہ باتیں پسند نہیں کرتا۔

رفیعہ: (چمکار کر) تم بڑے اچھے بیٹے ہو۔

سید: (غصہ سے) میں واقعی مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ مجھ سے کئی لوگوں نے کہا..... کہ.....

رفیعہ: (بے تعلقی سے) ہوں..... کیا کہا؟

سید: تمہیں شرم نہیں آتی مگر میں تو ذلیل ہوتا ہوں۔ اچھا تم اسے عبدالرحمٰن کو کیوں خط لکھتی ہو؟

رفیعہ: (سادگی سے) چند ضروری باتیں پوچھنا تھیں۔ اس لئے۔

سید: وہ ضروری باتیں میں جانتا ہوں کیا ہیں۔

رفیعہ: جب جانتے ہی ہو تو میرا دماغ کیوں چاٹ رہے ہو؟

سید: مجھے بڑی شرم آتی ہے اور وہ عبدالرحمٰن تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

رفیعہ: اوہو! تب تو بڑی اچھی بات ہے۔

سید: کیسی بنتی ہو جیسے تمہیں معلوم ہی نہیں۔

رفیعہ: ارے بے وقوف معلوم ہوتا تو میں اس کے چھ خطوں کا جواب کیوں گول کر جاتی۔ آج..... یہ دیکھو۔ لکھا ہے' یہ "ساتواں خط ہے"۔ دیکھو نا! اگر مجھے معلوم ہوتا تو یقیناً.....

سید: تم اس سے شادی کرو گی!

رفیعہ: دیکھو زور زور سے نہ کہو' غفار سن لے گا تو بس---

سید: بکو مت' میں تم سے پوچھتا ہوں کیا..... تم.... اس..... سے شادی کرو گی؟ (ایک ایک لفظ صاف کہتا ہے)

رفیعہ: ابھی اس کا جواب کیسے دے سکتی ہوں۔

سید: کیوں ابھی سے کیا' رفیعہ..... مگر یاد رکھو' اگر تم نے اس بڈھے کھاگ سے شادی کی تو بس----

رفیعہ: تو بس.... کیا؟ تم غصہ میں آکر جمن بی سے بیاہ کر لینا۔ بس مزہ تو رہے گا سید۔

ابا جان کے بعد گھر کس قدر....

سید: چپ رہو۔ تو اب تم اسے خط نہ لکھنا۔

رفیعہ: کیوں؟ واہ!

سید: نہیں' آخر فائدہ۔ تم اس سے شادی تو کر نہیں رہی ہو۔

رفیعہ: کیا معلوم.... قسمت کی کسی کو کیا خبر؟ فرض کرو غفار مجھ سے شادی نہ کرے اور جیسے کہ تم کہتے ہو ظفر میرے اوپر تھوکے بھی نہیں' تو پھر' یہ.... ٹھیک رہے گا.... روپیہ بہت ہے۔ سید پھر دونوں....

سید: (غصہ سے بھنا کر) کم بخت چپ رہ' اور پھر کہتی ہے' تجھے کچھ نہ کہوں۔

رفیعہ: آخر کیوں؟ میں کرتی کیا ہوں۔

سید: اور پھر پوچھتی ہو "کیا کرتی ہوں" یہ تم اتنا کیوں اتراتی ہو؟

رفیعہ: کون' میں اتراتی ہوں؟

سید: ہاں اور خصوصاً غفار کو دیکھ کر۔

رفیعہ: ذرا.... (جل کر) اچھا جاؤ۔ اتراتے ہیں' پھر تمہارا کیا۔ تم کیوں جلے مرتے ہو؟

سید: مجھے غفار پر ترس آتا ہے۔

رفیعہ: اوہو' بڑا ترس آتا ہے جیسے اسے کوئی کھائے ہی تو جا رہا ہے۔

سید: کھائے ہی جا رہا ہے اور نہیں تو پھر کیا۔

رفیعہ: (خط اٹھاتے ہوئے) تم تو پاگل ہو.... یاد ہے وہ باؤلا کتا جس نے تمہیں کاٹا تھا تو کسولی گئے تھے جو نہ کرو کم ہے۔

سید: ارے مجھ سے جلتی ہو۔ آخر کو تمہارا بڑا بھائی ہوں۔

رفیعہ: تو تم ہی بتا دو۔ میں نے غفار کے ساتھ کیا ظلم و ستم کیے۔

سید: تم اسے پھانسنے کی کوشش کرتی ہو۔
رفیعہ: (متحیر ہو کر) سید کوئی بھائی اپنی بہن کو ایسی بیہودہ بات کہتا ہو گا۔ پتہ ہے' یہ گالی ہے۔
سید: (ہاتھ گھما کر) سچی بات میں گالی بھی ہو تو کیا کیا جائے۔
رفیعہ: اچھا کھاؤ قسم کہ میں غفار کو.... توبہ توبہ' پھانستی ہوں۔
سید: (اطمینان سے) پھانستی ہی نہیں ہو بلکہ پھانس چکیں اور اب ظفر پر دانت تیز کر رہی ہو۔
رفیعہ: دیکھو سید تم بڑی بے ہودگی پر اتر آتے ہو' برداشت نہیں کر سکتی' واہ واہ یہ بھی کوئی بات ہے۔
سید: تو پھر تم کیوں ایسی حرکتیں کرتی ہو۔ آخر اس میمنہ کا خون چوسنے میں کیا مزہ آتا ہے۔ ہاں ظفر اور چیز ہے۔
رفیعہ: (جلدی سی) اور چیز..... اور چیز سے تمہارا کیا مطلب ہے؟
سید: (ایک اخبار موڑتے ہوئے) میرا مطلب ہے ظفر تم سے بھی زیادہ مکار ہے۔ وہ الٹا تمہیں مزہ چکھا دے گا' لوہے کو لوہا کاٹتا ہے نا۔
رفیعہ: (بگڑ کر) دیکھو تم گھما پھرا کر کسی نہ کسی بہانے سے مجھے مکار کہہ ہی جاتے ہو۔ تمہاری خالدہ بڑی معصوم ہے نا!
سید: خالدہ! لفظ معصوم کے ساتھ تمہیں خالدہ کیسے یاد آ سکتی ہے ارے وہ؟.... وہ تمہاری بھی استاد ہے۔ اسی نے تو تم کو بگاڑا ہے۔
رفیعہ: (دھمکا کر) اچھا کہوں گی خالدہ سے۔
سید: (بدمزاجی سے) لاحول ولا قوۃ' ایک دفعہ نہیں لاکھ دفعہ کہہ دینا۔
رفیعہ: پھر دیکھنا وہ تمہاری کیا گت بناتی ہے۔ صورت بھی نہ دیکھے گی۔
سید: ارے وہ مبارک دن آئے بھی کبھی جب وہ میری صورت دیکھنے اور اپنی دکھانے سے باز آئے۔
رفیعہ: (حیرت سے) کیا سچ کہہ رہے ہو تم؟

سید: اور نہیں تو کیا جھک مار رہا ہوں۔
رفیعہ: تمہیں دوڑ دوڑ کر وہاں جاتے ہو۔ اس کی جوتی بھی پروا نہیں کرتی۔
سید: جوتی پروا نہ کرتی ہوتی تو بھلے ہی دن تھے۔ جوتی میں خالدہ سے زیادہ انسانیت ہے مگر وہ تو یوں (پنجہ گھما کر) مجھے شکنجہ میں کسے ہوئے ہے۔
رفیعہ: کون منع کرتا ہے۔ نکل جاؤ نا شکنجہ میں سے۔
سید: (جھلا کر) ارے وہ نکلنے بھی دے جب نا۔ وہ ایک پہنچی ہوئی ہے۔ نکلنے کب دے گی۔ جونہی نکلنے کی کوشش کرتا ہوں آڑنگا لگا دیتی ہے۔
رفیعہ: بودے ہو تم' یوں کہو۔
سید: اور کیا' بودا نہ ہوتا تو وہ یوں مجھ پر چھا سکتی تھی۔
(دائیں دروازے کا پردہ ہلتا ہے۔ خالدہ ایک سیاہ ساڑھی اور سنہری چھوٹی سی صدری پہنے داخل ہوتی ہے)
خالدہ: (دونوں ہاتھ پھیلا کر ایک طرف سر ڈال کر) رفی!
رفیعہ: (دوڑ کر اس سے لپٹتے ہوئے) خلو!!
سید: (جانے کیلئے کھڑے ہو کر نقل میں) اترانا!
خالدہ: (چونک کر) ارے رفی! ابھی کون چوں سے بولا تھا؟ (کان پر ہاتھ رکھ کر) کہیں..... بھئی مجھے چوہوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔
سید: (دانت بھینچ کر) بلیاں ہی چوہوں سے نہیں ڈریں گی تو کون ڈرے گا۔
خالدہ: (مڑ کر مسرت سے) سید ڈیئر!
(سید جیبوں میں ہاتھ ڈالے ٹھوڑی سینے پر ٹکائے کھڑے گھورتے رہتے ہیں)
خالدہ: (جیسے نڈھال ہو کر کرسی پر گر جاتی ہے) رفی' میں سید سے بہت خفا ہوں۔
سید: (ویسے ہی تنے ہوئے) شکریہ!
خالدہ: (تعجب سے) شکریہ؟ رفی! سید سے پوچھو آج میرے غصہ پر شکریہ کیسا؟

سید: (نقل میں) رفی خالدہ سے کہہ دو مجھے اس کے غصہ کی رتی بھر پروا نہیں۔

خالدہ: ان سے کہو اترائیں نہیں۔

سید: رفی ان سے کہہ دو دبتے نہیں تم سے۔

خالدہ: (سنجیدگی سے) رفی ان سے کہہ دو خدا کیلئے اپنی جیبوں میں سے ہاتھ نکال لیں۔ بالکل ربڑ کا گڈا لگ رہے ہیں۔

سید: (جلدی سے) جیبوں سے ہاتھ نکال لیتا ہے مگر فوراً ہی شرمندہ ہو جاتا ہے۔

(رفیعہ اور خالدہ ایک دوسرے پر گر کر لوٹ جاتی ہیں اور بے بات ہنستی ہیں) اور تم.... تم جیسے موم کی پتلیاں، منوں پوڈر تھوپ لیا اور بن گئیں حسین۔

خالدہ: (چہرے کے پاؤڈر کو احتیاط سے تھپتھپاتے ہوئے) رفی! میں پاؤڈر لگاتی ہوں۔

رفیعہ: (جھوٹ بول کر) نہیں تو۔

خالدہ: (ڈانٹ کر) پھر.... پھر سید نے کیسے کہا؟

رفیعہ: (خوشامد سے) غلطی ہوئی بچارے کی۔

سید: بالکل نہیں، تم دونوں پاؤڈر لگاتی ہو اور بھویں بھی اکھیڑتی ہو۔

رفیعہ: آہا.... (مذاق اڑاتے ہوئے) اکھیڑتی!

خالدہ: ہاں "اکھیڑتی" ہیں۔ بھویں نہ ہوئیں خیمے ہو گئے جو اکھیڑے جائیں۔

سید: (کھسیا کر) اور کیا....

خالدہ: رفی یہ سراسر بہتان ہے۔ نہ ہم پوڈر لگائیں نہ بھویں اکھیڑیں۔ ہم قطعی اتنے ہی حسین ہیں جتنے نظر آتے ہیں اور سید کو خدا کیلئے سمجھاؤ کہ ہماری بھویں پیدائشی کمان جیسی کھنچی ہوئی ہیں۔

سید: (ہاتھ جھٹک کر) ہوں گی۔ ضرور ہوں گی۔ کمان نہیں توپ کے گولے ہوں گی۔ بس!

خالدہ: تو گویا آپ کو شک بھی ہو سکتا ہے۔ رفی! سید کتنے بدذوق ہیں، دنیا اپنے محبوب کی شان میں قصیدے کہتی ہے اور یہ مٹھوس خواہ مخواہ پاؤڈر لپ اسٹک کا ذکر کرتے ہیں۔ تمہیں کیا ہم کچھ لگائیں۔ دکھائی تو خوبصورت دیتے ہیں۔

سید: تم لوگ بے شرم ہو۔

(لاپروائی سے کھڑکی میں سے جھانکنے لگتا ہے۔ خالدہ اور رفیعہ چپکے چپکے باتیں کرکے اسکیم بناتی ہیں)

رفیعہ: اچھا تو میں ذرا دوپہر کے کھانے کیلئے باورچی کو بتا آؤں (رعب سے) سید خالدہ کا دل نہ گھبرانے پائے۔

سید: (گویا سنا ہی نہیں)

(خالدہ دبے پیر سید کے پیچھے جاتی ہے وہ کچھ نوٹس نہیں لیتا اور برابر باہر غور سے جھانک رہا ہے۔ خالدہ کچھ چڑ کر ہاتھ تول کر گال پر ایک تھپڑ مارتی ہے)

خالدہ: (بھولپن سے ہاتھ کو دیکھتی ہے۔ گویا کچھ ڈھونڈ رہی ہے) کہاں گیا، یہ موٹا سا مچھر تھا۔ اڑ گیا۔

سید: (بھنا کر مڑتا ہے اور گال پر ہاتھ رکھ کر) لاحول ولا قوۃ۔

خالدہ: سچ کہتی ہوں، مچھر تھا یہ بڑا سا اڑ گیا۔

سید: معاف کیجئے! آئندہ سے آپ میرے منہ پر مچھر کا شکار نہ کیجئے۔ کاٹنے دیجئے مچھروں کو۔

خالدہ: (معصوم آنکھیں بنا کر لچکتی ہوئے آواز میں) واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میرا دل کیسے مانے گا۔ مچھر کو کاٹتے دیکھوں گی تو ضرور اسے ماروں گی۔ تمہاری تکلیف.....

سید: میری تکلیف؟ (رکھائی سے) معاف رکھو اپنی ہمدردی سے۔

(دور کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔

خالدہ: اوہ! یہ کیسے؟ (آکر اس کی کرسی کے ہتے پر بیٹھ جاتی ہے) یہ کہیں ہو بھی سکتا ہے میں تمہاری تکلیف کا خیال نہ کروں تو پھر کون کرے سید؟ پھر کون

تمہاری خبر گیری کرے۔ تمہارے اوپر مکھیاں بھنکنے لگیں تو کیا میں نہ اڑاؤں۔

سید: (کچھ جلا ہوا) ہوں، بکواس جو کوئی تمہاری سنے۔

خالدہ: تم پر تو ہر وقت بھوت سوار رہتا ہے۔

سید: (ترشی سے) ہوں! جانتی ہو یہ بھوت آتا کہاں سے ہے!

خالدہ: ہا.... آں.... ارے ٹھہرو (کان پر ایسے چٹکی لیتی ہے گویا کوئی کیڑا پکڑ رہی ہے) اے ہے جوں! توبہ ہے سید! (بال پکڑ کر ہلا کر) سر منڈاؤ۔ یہ پٹیاں پارنے کا کیا شوق ہے۔ کانوں پر تو جوئیں رینگ رہی ہیں..... ی..... ق.... (گھن کھاتی ہے)

سید: (تڑپ کر دوسری کرسی پر زور سے جا بیٹھتا ہے) کیا مطلب ہے تمہارا خالدہ! اس ذرا سی دیر میں مذاق ہی مذاق میں تم نے ایک تھپڑ لگا دیا۔ چٹکی بھر لی اور بال نوچ ڈالے۔ کہاں ہے جوں ذرا میں بھی تو دیکھوں۔

خالدہ: بولو تو کیا میں تمہاری جوئیں سینت سینت کر رکھتی ہوں۔ پھینک بھی دی میں نے۔

سید: (تاڑ کر) ہاں ضرور پھینک دی۔

خالدہ: اے یہ ذرا سی جوں کا کیا جھگڑا کھڑا کر لیا۔ اور نہیں تو کیا میں نے کھا لی۔ دیوانے (روٹھ کر کرسی پر بیٹھ جاتی ہے)

سید: میں پوچھتا ہوں تمہیں مزہ کیا آتا ہے؟

خالدہ: کاہے میں؟

سید: لوگوں کو دکھ پہنچانے میں۔

خالدہ: (خوشی سے کھل کر) دکھ پہنچانے میں۔ تمہیں دکھ پہنچتا ہے (محبت سے) سید، میں سمجھتی تھی تم بالکل مٹی کے تودے ہو۔ جسے نہ کوئی دکھ پہنچا سکتا ہے نہ سکھ جو نہ روتا ہے نہ ہنستا ہے (دعا کیلئے ہاتھ اٹھا کر) یا اللہ تیرا شکر کہ سید میں بھی جان ہے۔

سید: غصہ سے پہلو بدل کر) تم بڑی مکار ہو۔

خالدہ: (ایک دم سنجیدہ ہو کر) تمہاری زبان بڑی گندی ہو گئی ہے سید!
سید: جو بات ہو گی وہ ضرور کہوں گا۔
خالدہ: کیا بات ہے آخر، میں نے تمہارے ساتھ کیا مکاری کی؟ جو ہر وقت کہتے رہتے ہو۔
سید: یہ مکاری نہیں تو پھر کیا ہے کہ خود..... خود تو میرے سر پر چڑھ کر آتی ہو اور اپنی سہیلیوں سے کہتی پھرتی ہو سید میری جوتیاں چاٹتا ہے، منہ.....
خالدہ: بالکل غلط، ثامی اگر تمہیں میری جوتیاں چاٹتے دیکھ لے تو چاب ڈالے۔ ناممکن میں ایسی بے ہودہ اور غلط بات کہہ ہی نہیں سکتی۔
سید: (تیزی سے) تم نے نہیں کہا کہ میں تمہارے پیچھے پیچھے لگا پھرتا ہوں۔
خالدہ: (اطمینان سے سر ہلا کر) ہاں یہ تو میں نے کہا تو اس میں کیا عیب ہے۔ لڑکوں کیلئے تو یہ بات باعث فخر ہے کہ وہ خوب صورت لڑکیوں کے پیچھے دوڑیں دیکھ لو بھی یہ..... کرتے ہیں۔
سید: ہو گا باعث فخر اوروں کیلئے۔ مگر میرے لئے تو ذلت ہے۔ میں یہ..... بیہودگیاں نہیں پسند کرتا۔
خالدہ: اوہو بڑے وہ ہو نا۔ خوب جانتے ہیں تمہیں، شیلا کے ساتھ....
سید: لاحول ولاقوۃ۔ وہ میری کلاس میٹ تھی۔ کبھی کبھی بات کر لیتا تھا تو سنا ہے آپ نے اس سے الٹی سیدھی باتیں کیں۔
خالدہ: میں نے کیا الٹی باتیں کہیں؟ میں نے یہی کہا کہ تم بڑے چلتے ہوئے ہو۔
سید: جھوٹی، یہ نہیں کہا تم نے۔
خالدہ: جھوٹے ہو گے تم، پھر کیا کہا میں نے.... اچھا وہ منگنی والی بات!
سید! ہاں۔
خالدہ: تو کیا ہوا۔
سید: تم نے کہا کہ میری تمہارے ساتھ منگنی ہو گئی!

خالدہ: ہاں کہا' تو پھر؟

سید: تمہارا مطلب کیا تھا یہ کہنے سے' جب کہ..... جب کہ..... تم.....

خالدہ: اے سید سچ مچ دیوانے ہو۔ اے ہے یونہی کہہ دیا تھا تاکہ وہ تم سے فلرٹ نہ کرے۔

سید: تم کون ہوتی ہو۔ تمہیں اس سے کیا۔ کوئی کچھ کرے۔

خالدہ: تو اب میں نے یہ بھی تو مشہور کر دیا کہ منگنی ٹوٹ گئی۔ بس بدلہ نکل گیا۔

سید: ارے خالدہ انتہا کرتی ہو۔ تم نے منگنی ٹوٹنے کے قصے میں بھی مجھے ہی ذلیل کیا۔

خالدہ: اور کیا پاگل! خود اپنے آپ کو کچھ کہہ دیتی۔

سید: مگر اب میں جو شیریں سے ملتا ہوں تو کیوں جلتی ہو۔

خالدہ: کچھ بھی ہو سید تم کیسے ہی نالائق یا بدہیئت کیوں نہ ہو۔ مگر کوئی لڑکی یہ کبھی پسند نہیں کرتی کہ اسے پسند کرنے والا کسی دوسری لڑکی کو پسند کرنے لگے' سمجھے!

سید: خواہ وہ خود اسے رتی بھر نہ پدھارتی ہو۔

خالدہ: ناچاہے رتی بھر نہ پدھارتی ہو۔

سید: بے شرم۔

خالدہ: کیوں؟

سید: اور تم مجھے اس وقت دق کرنے نہیں آئیں' کیوں؟

خالدہ: خاک' میں تو پرسہ دینے آئی تھی۔

سید: ہاں' اور یہ جب سے تم میری جان کو پرسہ ہی تو دے رہی ہو۔ یا بیٹھی بیٹھی مجھے دل رہی ہو۔

خالدہ: اونہہ' اب تمہیں کون سمجھائے۔

سید: سمجھاؤ تو جب کہ میں خود نہ سمجھتا ہوں۔ یہ تم نے رفیعہ کو یہاں سے

کیوں ٹرخا دیا۔ اسی لئے نا کہ مجھے گھیر کر میرا خون چوسو۔

خالدہ: اگر تم ایسی باتیں کرو گے تو میں ابھی چلی جاؤں گی۔

سید: (مردہ آواز میں) کاش تم اپنی دھمکیوں کو کبھی سچ بھی کر دکھاتیں۔

خالدہ: تو کیا تم چاہتے ہو کہ میں چلی جاؤں؟

سید: یقیناً (پھر جلدی سے) نہیں نہیں، اگر تمہیں شبہ بھی ہو جائے گا کہ میں چاہتا ہوں تم چلی جاؤ تو سارے وقت میرے سر پر سوار رہو گی۔ تمہیں میری ہر بات سے ضد ہو جاتی ہے۔

خالدہ: (ہنستے ہوئے اس کی طرف بڑھ کر) تم بہت عقل مند ہو گئے ہو سید۔

سید: (ترشی سے) حالانکہ مجھے پختہ یقین ہے کہ تم مجھے بے وقوف سمجھتی ہو (اسے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر) یہ میری طرف پھر عنایت ہو رہی ہے۔ اگر تم چاہتی ہو تو وہ رہا دروازہ!

خالدہ: (مصنوعی حیرت سے) ارے تم تو واقعی ہوشیار ہوتے جا رہے ہو۔

سید: ہاں، ہاں مگر تم بڑے آرام سے اس کرسی پر بیٹھ سکتی ہو۔

(دور کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہے)

خالدہ: (پیار سے) آؤ سید ملاپ کر لیں۔

سید: معاف ہی رکھو۔ کیا پھر کوئی مچھر وغیرہ نظر آیا؟

خالدہ: (نرمی سے) نا سید۔ اب کے کچھ نہیں۔ جو کچھ بھی کروں تو جو سزا چاہو دینا۔

(آ کر کرسی کے ہتے پر بیٹھ جاتی ہے) لو اسی بات پر تم میرا ہاتھ چوم سکتے ہو۔

سید: (تیوریاں چڑھائے، منہ پھلائے) ہونہہ!

(رفیعہ پردے کی آڑ سے جھانکتی ہے اور خالدہ کو آنکھ سے اشارہ کرتی ہے)

خالدہ: (اپنا ہاتھ اس کے ہونٹوں سے لگا کر) لو، (چمکارتی ہے)

(رفیعہ اندر آتی ہے اور سید کو اعتراض کی نظروں سے دیکھتی ہے)

رفیعہ: (کٹتی ہوئی آواز میں) آج کل کے لڑکے اس قدر بدمعاش ہو گئے ہیں

کہ توبہ ہی بھلی- شریف لڑکیوں کا تو گھر میں آنا دشوار ہے-

(سید جل کر خالدہ کو ہتے پرے دھکیلنا چاہتا ہے' جو پہلے ہی ہٹ چکی ہے اور کھڑکی میں سے باہر جھانک رہی ہے)

رفیعہ: (ڈانٹ کر جس سے سید کو نفرت ہے) کیا بات تھی سید؟

خالدہ: (معصوم آواز میں) کچھ نہیں- ان کے کان پر جوں رینگ رہی تھی- یہ موئی بھینس کی بھینس- میں نے پکڑ کر پھینک پھانک دی- اب کہتے ہیں.... (سید کو اٹھتا دیکھ کر) جلدی سے کھڑکی میں سے باہر جھانکنے لگتی ہے (گویا کچھ ہوا ہی نہیں)

سید بھنا کر اٹھتا ہے اور باغ کی طرف جو دروازہ ہے اس میں سے چلا جاتا ہے- خالدہ اور رفیعہ زور زور سے ہنستی ہیں)

تیسرا سین

(سید اور رفیعہ ایک ہی صوفے پر بیٹھے ہیں- دونوں ذرا بہتر اور مہذب نظر آ رہے ہیں- رفیعہ البم میں تصویریں لگا رہی ہے اور سید ٹانگ پر ٹانگ رکھے اخبار دیکھ رہے ہیں)

رفیعہ: چھٹیوں نے تو سید تھکا دیا- جی ہی نہیں لگتا-

سید: ہوں- بوٹنگ کو چلتی ہو؟

رفیعہ: ہاں خلو کو بھی بلا لیں گے-

سید: نا بھئی خلو ٹلو کا جھول ہے-

رفیعہ: اوہو خلو بغیر چاہے کچھ مزہ نہ آئے خود کو بھی-

سید: کسے مجھے' توبہ کرو- سارے وقت تو مجھ سے الجھتی رہتی ہے- تمہیں کہہ دو انصاف سے اس دن اس نے میرا جینا دوبھر کر دیا تھا کہ نہیں-

رفیعہ: اچھا اب میں اسے منع کر دوں گی- آج میں نے خالدہ' ظفر اور غفار کو کھانے پر بلایا ہے- خلو تو چائے بھی یہیں پیئے گی-

نوکر: (دروازہ ہی میں سے جھک کر) ظفر میاں آئے ہیں- آپ کو بلا رہے ہیں-

سید: یہ کیا بیہودگی ہے واہ کہ دروازہ میں سے کوے کی طرح کھڑے گردن جھکا جھکا کر چلا رہے ہیں-

نوکر: (اندر آکر ذرا کھسیانی آواز میں) ظفر میاں آئے ہیں-

سید: کتنی دفعہ کہا کہ ایسے دور سے نہ چلایا کرو- گویا.... کہ...... یہ کوئی طریقہ نہیں-

نوکر: (اور بھی مردہ آواز میں) ظفر میاں آئے ہیں-

سید: (جل کر) بس بکے چلے جانا.... ژژ' ژژ' کہہ دو آتے ہیں-

رفیعہ: (البم سمیٹ کر) نہیں ظفر کو یہاں بلا لو نا' یہیں بھیج دو-

سید: نہیں ٹھہرو-

(نوکر آدھا جا کر لوٹ آتا ہے)

رفیعہ: (نوکر کو ڈانٹ کر) جاؤ میں کہتی ہوں- کہہ دو سید کام کر رہے ہیں-

سید: ٹھہر بد تمیز (نوکر منہ بنا کر لوٹتا ہے) یہی مجھے کام ہے ہم دونوں جا رہے ہیں موٹر خریدنے ظفر کیلئے-

رفیعہ: (کھڑے ہو کر نوکر کو ڈانٹتی ہے) جاتے ہو کہ نہیں کہہ دو نہیں آتے سید-

(نوکر بھاگتا ہے تو اندر داخل ہوتے ہوئے ظفر سے ٹکرا جاتا ہے- بے طرح ڈر کر بھاگتا ہے)

ظفر: ارے بھئی آتے کیوں نہیں تھے' چلو گے؟ (سگریٹ سلگاتا ہے)

سید: ہا- ہاں چلو-

رفیعہ: ٹھہرو تو- ظفر! اماں جان نے کہا ہے کہ تم مجھے فلاسفی پڑھانے آیا کرو-

ظفر: (ناک سکیڑ کر) فلاسفی! میرے باپ نے فلاسفی نہیں پڑھی تو تمہیں کیا

خاک پڑھاؤں گا۔

رفیعہ: تو خیر اکنامکس پڑھا دینا۔

ظفر: کیا بک رہی ہو۔ یہ بنیوں والے مضمون میں کیا جانو۔ میں سائنس سٹوڈنٹ ہو۔

رفیعہ: بکو مت' اماں جان نے کہا ہے۔ شرم نہیں آتی ان کا کہنا ٹالتے۔

سید: (ہاتھ ہلا کر) نہیں ظفر' اماں جان نے قطعی نہیں کہا۔ دل سے گڑھ رہی ہے۔

ظفر: مگر بھئی مجھے آئے بھی جب ہی تو پڑھاؤں یا ویسے ہی۔

رفیعہ: اچھا پوئٹری (Poetry) پڑھا دیا کرو (ہنس کر) اب بچ کر کہاں جاؤ گے!

سید: کچھ نہیں جی۔ جھوٹ بول رہی ہے اسے ضرورت بھی نہیں۔

رفیعہ: میں نے کیا جھوٹ بولا۔

سید: یہی کہ اماں جان نے کہا کہ کوئی نہ کوئی الٹا سیدھا مضمون ضرور ہی ظفر سے پڑھو۔ (ظفر سے) جب اس کا دل کسی کام کے کرنے کو چاہتا ہے تو میرے یا اماں جان کے سر تھوپ دیتی ہے اور کچھ ایسا پھندا ڈالتی ہے کہ بس ہی نہیں چلتا۔

رفیعہ: (تیزی سے) اور جو میں نے پچھوا دیا تو!

سید: کس سے پچھوا دو گی؟

رفیعہ: خلو سے' دوسرے ظفر تمہارا ہی فائدہ ہے۔

ظفر: فائدہ! میرا کیا فائدہ ہے۔ نہ پڑھو گی نہ کچھ۔ جان ضیق میں رکھو گی---- سینکڑوں دفعہ لڑائی ہو گی۔ خواہ مخواہ بھلا کیا فائدہ۔

رفیعہ: تمہارا یہ فائدہ ہے کہ تمہیں بہانہ ڈھونڈ کر مجھ سے ملنے نہ آنا پڑے گا۔ مزے سے ایک بہانہ موجود رہے گا اور غفار کو بھی اعتراض نہ ہو گا' کیوں؟

سید: (تڑپ کر) او.... ہ.... بس.... ظفر میں نے کتنا کہا تجھ سے کہ اس بلا سے بچا رہیو.... مگر تو بھی نرا چغد ہی نکلا۔ اب دیکھ تجھے کیسی جوتیاں کھلواتی ہے۔

ظفر: اجی کھلوائیں جوتیاں، میں جیسے اس کی چالوں میں آ ہی تو جاؤں گا۔
رفیعہ: لو ظفر اب تمہیں بھی جوتیاں لگیں اور سید کی طرح اترانا شروع کیا، ان کی صحبت نے تو تمہیں کوڑی کام کا نہیں رکھا۔
سید: میری صحبت، میری صحبت کیا بری ہے۔ تم اپنی کہو۔ تمہیں خالدہ کی صحبت نے جنگلی بنا دیا ہے بالکل۔
(خالدہ منہ پھلائے آتی ہے اور بالکل سید کے قریب بیٹھ جاتی ہے)
خالدہ: ہر وقت میرا ذکر۔ ہر وقت میرا ذکر۔ تمہارے خیالوں کی دنیا میں میں ہی چھائی ہوئی ہوں۔
سید: (منہ بنا کر) ضرور!
رفیعہ: لو اب پچھوائے دیتی ہوں۔ کیوں خلو......
ظفر: (بات کاٹ کر) کیوں.... ٹھہرو۔ خلو کیا تمہارے سامنے اماں جان نے کہا کہ رفیعہ کو پڑھاؤں۔
خالدہ: (سنجیدگی سے) کتنی مرتبہ کہا کہ ظفر میرا نام اس قدر پیار سے نہ لیا کرو۔ سید کو رشک ہوتا ہے۔ کیوں سید؟
سید: (برا مان کر) لاحول ولا قوہ۔
رفیعہ: تو کل سے ظفر مجھے پڑھانے آیا کریں گے۔
ظفر: نہیں۔ قطعی نہیں.... میں....
رفیعہ: خیر تو میں محمود صاحب کو لکھوں گی وہ پڑھا دیا کریں گے۔
سید: جی نہیں۔ محمود سے نہیں۔ ہمارے یہاں ان کی آمدورفت نہیں۔
رفیعہ: آمدورفت نہیں تو اب ہو جائے گی۔
سید: جی نہیں۔ نہیں ہو گی۔
رفیعہ: (چڑ کر) یہ بھی تمہاری دھونس ہے۔ ظفر پڑھائیں نہیں۔ محمود صاحب کی آمدورفت نہیں۔ کیوں ان کے پڑھانے پر کیا اعتراض ہے آپ کو؟ پوئٹری ان سے اچھی کون پڑھا سکتا ہے۔

ظفر: اجی ------- وہ ہے زمانہ بھر کا ---- لوفر --------

سید: جی نہیں- یہ بات نہیں ہے (طعن سے مسکرا کر) ان سے بڑھ کر کون لوفر ہو گا-

رفیعہ: (چونک کر) کون؟

سید: جی آپ- خالدہ وغیرہ وغیرہ-

خالدہ: ہوش میں ہو سید' تمہاری وغیرہ وغیرہ ہوں گی لوفر- ہم کیوں ہوتے-

سید: جی نہیں' آپ تو سب سے بڑھ کر- خدا بچائے-

خالدہ: (حیرت اور رنج سے) سن رہی ہو-

رفیعہ: سن رہی ہوں' روز ہی سنتی ہوں- سید تو خیر پاگل ہیں ہی- مجھے تو ظفر پر حیرت ہو رہی ہے کہ اماں جان کی بات نہیں سنتے-

ظفر: میں کہتا ہوں اماں جان بیچاری کو خبر بھی نہیں- تم دل سے بنا رہی ہو-

رفیعہ: (آہٹ سن کر) شش! لو اماں جان خود آ رہی ہیں-

(ظفر سگریٹ پھینک کر ٹھیک سے بیٹھ جاتا ہے- خالدہ جلدی سے سید کے پاس سے اٹھ کر دور بیٹھ جاتی ہے- پردہ کھلتا ہے اور سیاہ شیروانی اور تنگ پاجامہ پہنے غفار داخل ہوتا ہے)

رفیعہ: (حیرت سے) ارے!

(سب زور سے قہقہہ لگاتے ہیں- خالدہ واپس سید کے پاس بیٹھ جاتی ہے- ظفر نیا سگریٹ سلگا لیتا ہے- سید ترشروائی سے گھٹنا ہلا رہا ہے)

غفار: (اس خاموش ایکٹنگ سے اکتا کر) کیا بات ہے بھئی؟

(سب پھر زور سے ہنستے ہیں)

سید: چغد!

غفار: (مجرمانہ انداز سے) کون؟

ظفر: اونہہ..... ہم..... سب (بات ٹال کر) تم اپنی کہو-

غفار: (سب کی طرف سے بے توجہ ہو کر) رفیعہ طبیعت تو اچھی ہے؟

رفیعہ: (نیم باز آنکھوں سے سید کو دیکھ کر لو اب کیا جواب دوں) ہاں مگر

میری طبیعت تھی کب خراب؟

غفار: میرا مطلب ہے مزاج تو اچھا ہے۔

رفیعہ: میں بد مزاج کبھی تھی ہی نہیں۔

غفار: (تھک کر) یہ تو میں نے نہیں کہا کہ تم بد مزاج ہو۔

رفیعہ: پھر؟

غفار: (پشیمان ہو کر) میں نے تو ویسے ہی پوچھا تھا۔

رفیعہ: (دبی زبان سے) رسما"۔

غفار: ہاں رسما" ہی سمجھ لو اب۔

سید: ارے کانٹوں کی جھاڑی سے کیوں الجھ رہے ہو!

(تھوڑی دیر بے تکی خاموشی رہتی ہے)

رفیعہ: (ایک دم سے) اے ہے زعفران دینا تو بھول ہی گئی۔ میں آج شاہی ٹکڑے پکا رہی ہوں۔

سید: چل جھوٹی کبھی باورچی خانہ میں جھانکتی بھی تو نہیں۔

رفیعہ: تم کون سید؟ (چلی جاتی ہے)

خالدہ: (باغ کی طرف دروازے سے جاتے ہوئے) سید ذرا یہاں آؤ تم سے ایک ضروری بات کہنا ہے۔

سید: (منہ پھلائے) کیا بات! پھر کوئی مچھر وچھر.....

خالدہ: نہیں نہیں تم آؤ تو سہی۔

(سید اٹھ کر جاتا ہے۔ خالدہ اس کے بازو میں ہاتھ ڈال کر اسے کھینچتی ہوئی چلی جاتی ہے)

ظفر: (جیسے خواب میں) افوہ! یہ لڑکیاں!!

غفار: کیوں، کون لڑکیاں؟

ظفر: سب لڑکیاں، ایکو ایک.... سب ناگنیں ہیں۔

غفار: (غیر شاعرانہ گفتگو سے متنفر ہو کر) میں تو نہیں سوچتا۔ یہ کیوں؟

ظفر: (بہت سا دھواں ہوا میں پھلا کر) ہوں۔ تم بے چارے سوچتے ہی کیا ہو۔

غفار: (برا مان کر) کیوں؟ مجھ میں بے چارے پن کی ایسی کیا بات ہے!
ظفر: یہ..... یہ کہ تم..... تم..... جانے بھی دو اب۔
غفار: آخر کچھ کہو بھی۔
ظفر: کہوں کیا (کچھ جل کر) تم بچے ہو بچے اور رفیعہ ناگن۔
غفار: (بگڑ کر) قطعی نہیں۔ کم از کم رفیعہ کے بارے میں تمہیں غلط فہمی ہوئی، وہ اس قدر.....
ظفر: (طعن سے جملہ پورا کر کے) بھولی ہے! کیوں؟
غفار: یقیناً۔
ظفر: (زور زور سے ہنستا ہے اور مصنوعی کھانسی کھانستا ہے) بھولی! ضرور!
غفار: (ذرا سختی سے) تم یہ بھی جانتے ہو یہ تم کس کے سامنے کہہ رہے ہو؟
ظفر: (جل کر بھویں سکیڑ کر اسے دیکھتے ہوئے) شاید آپ کے سامنے۔
غفار: اور شاید تم یہ بھی جانتے ہو کہ ---------
ظفر: کہ جناب کو رفیعہ سے محبت ہے اور اسے چاہتے ہیں۔
غفار: یقیناً ایک فرشتہ خصلت لڑکی کے لئے میں......
ظفر: رفیعہ، فرشتہ خصلت!
غفار: بے شک کیوں نہیں...... آخر.......
ظفر: (بات کاٹ کر اپنی تیز زبان میں) تم شاید ان بے وقوفوں میں سے ہو جو آنکھ میچ کر ہر لڑکی کو حسین، معصوم اور نیک قرار دے دیتے ہیں (ایک دم ذرا اٹھ کر) غفار! تمہارا ارادہ میرا مطلب رفیعہ سے شادی کرنے کا ہے۔
غفار: یہ بات عرصہ ہوا طے ہو چکی۔
ظفر: تو تم ٹھکانے لگ چکے۔

(واپس کرسی پر لیٹ جاتا ہے)

غفار: (کچھ نہ سمجھ کر) یعنی!
ظفر: (تھوڑی دیر غفار کو گھور کر) اونہہ! تم نہیں سمجھتے۔ تم کچھ نہیں سمجھتے۔ تم سمجھ ہی نہیں سکتے۔

غفار: نہ جانے کیا بک رہے ہو۔

ظفر: (کچھ نہ سن کر) تم نہیں جانتے ان لڑکیوں کو۔ یہ سب.... سب بلیاں ہیں بلیاں۔ تم نے دیکھا ہے ایک چوہے کو بلی کیسی جھنجھوڑیاں دیتی ہے۔ کبھی اس ران کو دبایا۔ کبھی اس پنجے پر چٹکی مار دی۔ کبھی کمر میں گدگدایا ------- اور کبھی پورا ہڑپ کر گئیں۔

غفار: (متحیر ہو کر) صنف نازک کے بارے میں تمہارے بڑے لچر خیالات ہیں۔

ظفر: (جلدی جلدی) صنف نازک، صنف نازک۔ اوہ کس قدر بے معنی لفظ ہے۔ کس ----- نہ جانے کس بے وقوف نے انہیں صنف نازک کا خطاب دیا ہے۔

غفار: (ظفر کی بے وقوفی پر مسکرا کر) تو تمہارے خیال میں عورتیں صنف نازک کہلانے کی مستحق نہیں۔

ظفر: مستحق! مستحق ہونے کی خوب رہی۔ اجی یہ دنیا کے سارے آرام اور چین اٹھانے کی مستحق ہیں۔ کولہو کے بیل کی طرح جت کر ہم کام کریں۔ سر پھٹوائیں ہم۔ دنیا بھر کی آفتیں اٹھائیں ہم اور یہ صنف نازک بن کر ہمارے اوپر بھوت کی طرح سوار ہو جائیں او رپھر صنف نازک اپنی سی کرنے پر اتر آئیں تو وہ گت بنائیں کہ جینا دشوار کر دیں۔

غفار: میرے خیالات شکر ہے کہ تم سے مختلف ہیں اور رہیں گے۔

ظفر: اور پھر انہی خیالات کے برتے پر تم رفیعہ سے شادی کرنے کا دعویٰ رکھتے ہو۔ (ایک دم سے) کبھی تم نے براہ راست بھی رفیعہ کی رائے معلوم کی........ میرا مطلب ہے شادی کے بارے میں۔

غفار: ہاں مجھ سے ایک دفعہ یہ غلطی ہو گئی تھی۔

ظفر: (غصہ سے چیخ کر) غلطی! کیا آدمی ہو تم.....

غفار: ہاں ہاں غلطی (رنجیدہ ہو کر) اس کے والد کے انتقال کے فوراً ہی بعد۔

ظفر: پھر اس نے کیا کہا؟

غفار: کچھ نہیں، مت یاد دلاؤ ظفر، وہ میری بیوقوفی تھی۔ وہ رونے لگی۔

ظفر: (حیرت سے) رونے لگی۔

غفار: ہاں میری بیوقوفی۔ ایسے موقع پر دل دکھانا۔

ظفر: ہوں ------- ضرور روئی ہو گی۔ تمہاری بد حواسیوں پر وہ بار بار رو چکی ہے۔ مگر دل دکھانے کو تم سے کس نے کہا تھا۔

غفار: دل ہی دکھانا ہوا ایسے صدمے کے بعد۔

ظفر: (ہاتھ جھٹک کر) تو پھر تم قیامت تک کسی لڑکی کو نہیں سمجھ سکتے۔ اچھا (کچھ سوچ کر رک رک کر) فرض کرو رفیعہ..... کو...... رفیعہ مرجائے .... تو تم......

غفار: کم از کم میرے سامنے تو ایسی باتیں نہ کرو۔

ظفر: (دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں دبا کر) اُفوہ۔ کیسے کہوں تم سے غفار (مردہ آواز میں) ہم سب بے وقوف ہیں۔ ہم سب چوہے ہیں۔ جن سے یہ خونخوار بلیاں کھیل رہی ہیں۔ میں، تم، سید۔ سب چوہے ہیں بزدل چوہے۔

غفار: (کچھ نہ سمجھ کر) میں تو یہ نہیں سوچتا۔

ظفر: (بے چین ہو کر) چپ رہو غفار۔ تم مجھے پاگل کر دو گے۔ اوہ۔

غفار: (نہایت سکون سے) میں ذرا اماں جان کے پاس جا رہا ہوں۔ تم بھی چلتے ہو؟

ظفر: (پریشان ہو کر) تم جاؤ میں ذرا دیر میں آؤں گا۔

(غفار جاتا ہے جسے ظفر رحم کی نگاہوں سے تکتا ہے۔ تھوڑی دیر سوچتا ہے پھر اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیتا ہے۔ دو تین کرسیوں میزوں سے بے خیالی میں ٹھوکر لگتی ہے۔ کارنس کے پاس جا کر تصویریں دیکھنے لگتا ہے۔ رفیعہ کی تصویر کو غور سے دیکھتا ہے)

ظفر: (بڑبڑاتے ہوئے) ہوں۔ غفار رفیعہ کی تصویر دیکھتا ہے۔ مگر رفیعہ کو نہیں۔ (دیر تک غور سے کبھی پاس سے کبھی دور سے تصویر کو اٹھا کر دیکھتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس کا سر تصویر کی طرف جھکتا ہے۔ رفیعہ دبے پاؤں داخل ہوتی ہے، اس کی پشت سے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر دیکھتی ہے۔ ظفر تصویر سے اپنے ہونٹ لگا

دیتا ہے)

رفیعہ: (اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تحکمانہ لہجہ میں) دیکھا- پکڑے گئے نا-----! کہو اب؟

(ظفر ایک دم مڑ کر اسے غصہ سے گھورتا ہے اور جلدی سے تصویر پیٹھ کے پیچھے کرلیتا ہے)

رفیعہ: اب تو تمہیں مجھے پڑھانے کے لئے آنے میں کوئی اعتراض نہیں-

(ظفر ایک جھٹکے سے تصویر میز پر رکھ کر آتش دان کے پاس بیٹھ جاتا ہے)

رفیعہ: (اس کی ٹھوری چھو کر) بے چارہ ظفر بہانے کیا کرتا تھا آج-

ظفر: (اس کا ہاتھ جھٹک کر) اونہہ! تم واقعی سانپ ہو-

رفیعہ: اور تم چھچھوندر- جسے نہ میں نگلتی ہوں نہ اگلتی ہوں- مگر میں کہتی ہوں چھچھوندر کی دیدہ دلیری تو دیکھو سانپ کے منہ سے لگ رہا تھا -

ظفر: (مسکرا کر) بھگت تو رہا ہے چھچھوندر اپنے اعمال کی سزا-

(سید کچھ بھنایا ہوا آ کر ایک کرسی پر بیٹھ جاتا ہے پیچھے پیچھے خالدہ کندھوں کو ہلکی سی جنبش دیتی ہوئی داخل ہوتی ہے)

رفیعہ: آہا- ایک اور چھچھوندر!

ظفر: (خالدہ کو دیکھ کر) ایک اور سانپ بھی-

خالدہ: ظفر تم کو کس نے بتایا کہ سید نے مجھے سانپ کہا-

رفیعہ: کسی نے بھی نہیں- انہیں تو وحی آتی ہے- بے چارے کو ابھی ابھی شہادت کا رتبہ ملا ہے-

خالدہ: (پژمردہ ہو کر) میں سمجھتی تھی کہ سید ہی اس قدر شاعرانہ بات کہہ سکتا ہے- پر اب معلوم ہوا کہ ظفر بھی- خیر سید تم کبھی تو کوئی نئی بات نکالا کرو جس سے مجھے فخر کرنے کا موقع ملے-

(سید منہ بناتا رہتا ہے)

(رفیعہ خالدہ کے پاس جا کر اس کے کان میں کچھ کہنا چاہتی ہے)

ظفر: (بغاوت کر کے) یہ کانا پھوسی یہاں نہیں ہو گی (رفیعہ کو کھینچ کر) تم

لوگ چپکے چپکے باتیں نہیں کر سکتیں۔

رفیعہ: خلو! پھر بتاؤں گی۔ اچھا۔

خالدہ: اور میں (سید سے آہستہ سے) بتا دوں سید تمہاری شاعری؟

سید: (اپنی جگہ جھوم کر) بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری شاعری۔

خالدہ: رفی (سید کو دیکھتی ہے) میں نے انہیں ایک بات کہنے کے لئے بلایا تو یہ خود ایک بہت ضروری بات کہنے لگے۔ بولے (پیار سے) کہہ دوں سید؟

سید: (پہلی دفعہ مسکرا کر) بے حیا ہو تم دونوں۔

خالدہ: پھر اتر آئے اپنی اوقات پر۔ پھر تم نے مجھ سے شادی کی درخواست کیوں کی تھی؟

ظفر: اچھا؟

رفیعہ: (خوشی سے اچھل کر) اور خلو یہ ظفر اتنی دیر یہاں کیا کرتے رہے۔ دیکھو نا آندھی کی وجہ سے ساری تصویروں پر گرد جم گئی تھی۔ انہوں نے سا۔۔۔۔ب چاٹ کر صاف کر دی (اپنی تصویر اٹھا کر) یہ دیکھو کس قدر چمک گئی۔ ظفر تم چاہو تو اسے گھر بھی لے جا سکتے ہو۔ اطمینان سے صاف کر لینا۔

(ظفر کھسیانہ مسکراتا ہے)

رفیعہ: نہیں لیتے۔ بس یہی تو مجھے جہالت کی باتیں کھلتی ہیں۔ اچھا کسی دن چھپا کر لے جانا۔ یہ رکھی ہے۔

(ظفر اٹھ کر تصویر لے کر جیب میں ڈال لیتا ہے)

سید: رفیعہ تو تم نے طے کر لیا کہ ظفر سے شادی کرو گی؟

رفیعہ: ہاں فی الحال تو میں ظفر ہی سے کر رہی ہوں۔

ظفر: (بگڑ کر) یہ فی الحال سے تمہارا کیا مطلب! (سید سے) یار میں نے ایسی لڑکیاں ہی کہیں نہیں دیکھیں۔ سنا کرتے ہیں بڑھی سیدھی سادی ہوتی ہیں۔

خالدہ: اوہو جیسے تم نے دیکھی بھی بہت سی لڑکیاں ہیں۔ لے دے کر ہم دونوں ذرا ڈھنگ کے تمہیں دکھائی دیئے تو تم ہم پر ہی بیٹھیں ہو گئے اور سیدھی سادی لڑکیوں کو آج کل کون پوچھتا ہے۔ پڑی گھروں میں روٹیاں پکایا کرتی ہیں۔

رفیعہ: اور کیا سچ بتاؤ تمہیں "وہ گڈے" پسند ہیں۔
ظفر: (مسکرا کر سید کو دیکھتے ہوئے) تم سے تو غنیمت یہ ہوں گی۔
خالدہ: (ایک دم سے) لوگو یہ تو بتاؤ جب رفیعہ ظفر سے شادی کرے گی تو غفار کیا کرے گا؟
رفیعہ: (جلدی سے) وہ خودکشی کرے گا یا ہمیشہ میرے نام پر کنوارا بیٹھا رہے گا۔
ظفر: کس قدر اتراتی ہو تم۔
خالدہ: بھئی یہ تو عجیب گڑبڑ ہے۔ میرے خیال میں اسے کل معاملات سے آگاہ کر دیا جائے۔ میں اسے سمجھا دوں گی ابھی بلاتی ہوں۔ (اٹھتی ہے)
ظفر: (گھبرا کر) بھئی میں جا رہا ہوں۔
خالدہ: نہیں، تمہیں یہیں رہنا چاہئے۔ ورنہ پھر پورا مرحلہ طے نہ ہو گا۔
سید: ہٹو جی سب واہیات ہے۔ چلو جی ظفر یہ دونوں فساد پر تلی ہوئی ہیں۔
رفیعہ: اگر تم دونوں چلے جاؤ گے تو بھئی میں صاف مکر جاؤں گی۔
سید: (ایک دم مڑ کر) یعنی؟
رفیعہ: یعنی یہ کہ تم پھر مجھ سے نہ کہنا کہ غفار کو دھوکا دیا۔
سید: اور تم دھوکا دو گی۔
رفیعہ: اور کیا۔ ورنہ تم مت جاؤ۔
سید: خیر اس میں بھی تمہاری کوئی چال ہے (بیٹھ جاتا ہے) بیٹھو بھئی ظفر۔
خالدہ؟ تو میں غفار کو بلانے جاتی ہوں (چلی جاتی ہے)
سید؟ ظفر تم نے فیصلہ کر ہی لیا کہ رفیعہ سے شادی کرو گے۔
ظفر: میں شادی کر رہا ہوں یا رفیعہ مجھ سے شادی کر رہی ہے۔ چہ خوش!
سید: اماں وہ ایک ہی بات ہوئی۔
ظفر: ایک ہی بات کیسے ہوئی۔ چھچھوندر سانپ کو نگلتی ہے یا سانپ چھچھوندر کو؟ اب تو یہ سانپ ہی جانے کہ وہ چھچھوندر کو نگلے گا یا یونہی چباتا رہے گا۔
رفیعہ: بالکل غلط۔ سانپ چباتا کب ہے اس کے دانت ہی نہیں ہوتے۔

ظفر: تم دانتوں والا سانپ ہو۔

(ہاتھ سے جسامت بناتا ہے)

رفیعہ: دیکھو سید، اب یہ ظفر ہی بات نکال رہے ہیں۔

(خالدہ اور غفار آتے ہیں)

خالدہ: لو ایک اور چھچھوندر۔

رفیعہ: (جلدی سے) دیکھو غفار ظفر مجھے سانپ کہہ رہے ہیں۔

غفار: (بے وقوفی سے) یہ کیوں؟

ظفر: یہ یوں کہ یہ سانپ ہے ہی جو۔

(لڑنے پر آمادہ ہو جاتا ہے)

غفار: (بیٹھ کر) یہ ظفر تمہاری غلطی ہے۔

ظفر: (جل کر) اور تمہاری بے وقوفی! رفیعہ جس شخص سے شادی کرے گی اس بدنصیب کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا ہم لوگ ابھی یہی سوچ رہے تھے۔

رفیعہ: (بناوٹی رنج سے) اوہ! مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں اس قدر خوف ناک ہوں۔

غفار: بالکل غلط۔ میں تمہیں خوف ناک بالکل نہیں سمجھتا۔

(ایک دم موضوع کے چھڑ جانے سے گھبرایا ہوا ہے)

رفیعہ: نہیں میں تمہاری زندگی برباد نہیں کروں گی۔

غفار: (جوش سے) برباد نہیں۔ تم میری زندگی آباد کرو گی۔

رفیعہ: نہیں میں تمہیں نگل جاؤں گی۔ سانپ ہی جو ٹھہری۔

غفار: (شدت جوش سے کانپ کر) کیسی باتیں کرتی ہو۔ تم مجھے نگل بھی جاؤ تو بھی میرے لئے عین راحت ہے۔

خالدہ: مگر اب تو رفیعہ نے فیصلہ کر لیا۔

غفار: (چونک کر) کیا فیصلہ کر لیا۔

خالدہ؟ یہی کہ وہ تمہیں نہیں نگلے گی۔

رفیعہ؟ ہاں اب تو میں ظفر کو نگلوں گی۔ یہ ہے تو پھر یہی سہی۔

(ظفر پریشان ہو کر مسکراتا ہے)

غفار: (سمجھ کر) تو..... تو تمہارا یہ مطلب ہے کہ مجھے ٹھکرا رہی ہو۔

رفیعہ: اونہہ! اب تم نے بھی غلیظ شاعری شروع کر دی۔

غفار: (پریشانی سے انگلیاں چٹخا کر) اور ظفر تم مجھے دھوکا دیتے رہے۔

ظفر: غفار بچے نہ بنو۔ یہ فتنہ تمہارے بس کا نہیں تھا۔ شکر کرو کہ میرے یہ اوپر بیتی اور تم بچ گئے۔ تم دیکھنا وہ میری گت بنائے گی کہ توبہ ہی بھلی۔

غفار: کاش میری ہی وہ گت بن جاتی۔

خالدہ: مگر غفار سوچو تو------

غفار: ایک عرصہ دراز سے یہ بات بزرگوں نے طے کر دی تھی۔

خالدہ: یہ بات تو ٹھیک ہے کہ آبائی حق تو تمہارا ہے۔ مگر یہاں تو رفیعہ کا معاملہ آن پڑا ہے۔ وہ ایک ضدی ہے۔

غفار: (اندوہ گیں ہو کر) میں ------- جا رہا ہوں (نہایت اداسی سے) رفیعہ! خدا کرے تم خوش رہو۔

(کھڑا ہو جاتا ہے)

ظفر: مجھے کوئی دعا نہیں دیتا (بڑبڑا کر) جیسے رفیعہ کو بڑی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ لوگ مجھے دعا نہیں دیتے۔

رفیعہ: (غفار کے پاس جا کر پیار سے) غفار تم غصہ تو نہیں ہو؟

غفار: (غصہ سے) نہیں۔

رفیعہ: اور رنجیدہ!

غفار: (رقت سے) نہ رنجیدہ۔

رفیعہ: (ایک دم اس کا حسین چہرہ ہاتھوں میں لے کر بڑی محبت سے دیکھتی ہے) تم بڑے پیارے ہو غفار تم نہیں جانتے مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔

سید: (تنبیہاً) پھر پھیلایا جال۔

رفیعہ: (ویسے یہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے) تم کون ہوتے ہو سید بیچ میں بولنے والے۔

(غفار سے) میں تمہیں بچپن سے پسند کرتی ہوں۔ بہت ہی پسند کرتی ہوں۔
(ظفر متحیر آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا ہے)

غفار: (امید بھری آواز میں) رفیعہ!

رفیعہ: (بڑی رومینٹک آواز میں) ہاں۔

غفار: (اس کے بازوؤں پر ہاتھ پھیر کر) تم نے ابھی کہا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔

رفیعہ: ہاں اور ہمیشہ اسی طرح محبت کرتی رہوں گی (اس کا منہ قریب کر کے) تمہیں یاد ہے غفار بچپن میں میں کس قدر تمہاری شرارتیں پسند کرتی تھی۔

سید: جھوٹی۔ غفار نے کبھی شرارت کی ہی نہیں۔

غفار: (سید کی پروا نہ کر کے جوش سے) تو پھر----تو پھر------ رفیعہ!

رفیعہ: ہاں۔ پھر اب میں نے فیصلہ کر لیا----- کہ ظفر سے شادی کرنے کے بعد میں فوراً تمہیں گود لے لوں گی------- کیوں ظفر! (اس کا چہرہ جھکا کر پیار کرنا چاہتی ہے)

(ظفر ایک دبی ہوئی اطمینان کی سانس لیتا ہے اور آرام کرسی پر لیٹ جاتا ہے)

غفار: (جسم میں ایک دھکا سا محسوس کرتا ہے اور خاموش دو قدم پیچھے ہٹ جاتا ہے) سانپ !!

(بغیر دوسری نگاہ ڈالے ایک دم پہلے دروازہ سے نکل جاتا ہے)

رفیعہ: (حیرت سے مسکراتے ہوئے اپنے خالی ہاتھ دیکھتی ہے) ارے!

(ظفر، سید اور کچھ کچھ خالدہ بھی حیرت سے منہ پھاڑے بیٹھے ہیں)

ظفر: (گھٹی ہوئی مردہ آواز میں) سانپ !!!

❀❀❀

انتخاب

کردار:۔

خالہ بی: چالیس پینتالیس سال کی امیر بیوہ۔ بھاری بھر کم' اپنی عمر سے زیادہ جوان اور خوبصورت نظر آتی ہیں۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے بردباری اور غرور ٹپکتا ہے۔ کنپٹیوں پر ہلکے ہلکے سفید بالوں کی جھلک پیدا ہو گئی ہے۔ چھوٹے سے دہانے میں اگلے تین مصنوعی دانت کسی طرح اصلی بتیسی سے کم خوبصورت نہیں۔ چال میں ایک دبدبہ ہے اور تمکنت ہے۔

شمیم: خالہ بی کی بھانجی' خالص ہندوستانی رنگ اور معمولی نقشے کا مجموعہ۔ سیدھی سادھی بچی۔ خالہ بی کے دباؤ میں رہنے والی کبھی سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔ لوگ کہتے ہیں اس کا معدہ خراب رہتا ہے اسلئے اس قدر چڑچڑی اور کھسیانی ہوئی رہتی ہے اللہ جانے!

واجد: شمیم سے سال ڈیڑھ سال بڑا بھائی۔ سیدھا سادا جلد باز۔

عالم: واجد کا بچپن کا دوست ہم سن اور ہم جماعت۔ ذرا قد لمبا ہے۔ لیکن ذرا دبلا اور کرخت ساخت کا بنا ہوا جسم۔ ناک نقشہ بالکل عام انسانوں جیسا بہت بے تکلف۔ گویا اپنے ہی گھر میں رہتا ہے۔

نوکر: ننھی' فرید اور حسب ضرورت صرف نام لینے کیلئے۔

اسٹیج: شمیم کا کمرہ اور ایک عام ہندوستانی بی بی کے بیٹھنے کا برآمدہ' جس میں چار تختوں کا فرش ہے اور ادھر ادھر حسب ضرورت کرسیاں وغیرہ رکھی ہیں۔

زمانہ: جو بھی آپ کو پسند ہو۔

(وقت شام۔ شمیم اپنے کمرے میں بیٹھی کچھ پڑھ رہی ہے۔ ایک دروازہ پشت پر ہے اور دو دائیں اور بائیں طرف۔ بائیں طرف کا دروازہ کھلتا ہے اور خالہ

بی نظر آتی ہیں وہ کچھ دیر شمیم کو منتظر نظروں سے دیکھتی ہیں اور پھر اندر آجاتی ہیں)

خالہ بی: اے شمیم یہ نہا دھو کر گیلے بالوں سے اندر آکر بیٹھ گئیں۔ بال بھی نہ سکھائے ذرا باہر ہی نکلو۔ توبہ ہے۔

شمیم: جی خالہ بی ابھی جاتی ہوں۔

خالہ بی: تو آخر اس قدر شام گئے نہانے کا کون سا فیشن نکالا ہے۔ جب ذرا سی بھی دھوپ نہیں رہتی گھر میں، تو بیگم غسل کرنے چلتی ہیں۔ گیلے بال! غضب خدا کا ذرا سی دیر میں سردی لگ جائے۔

شمیم: (بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کر کے) سوکھ تو چلے اب۔

خالہ بی: خاک سوکھ چلے ذرا اپنا ڈیل ڈول دیکھو اور یہ بے احتیاطیاں!

شمیم: (تنگ آکر) کہہ تو دیا کہ ابھی جاتی ہوں باہر۔

خالہ بی: تم جانو۔ میں تو بھئی تمہارے ہی بھلے کو کہتی ہوں۔ اپنے پالے کا سب ہی کو درد ہوتا ہے۔ یہ کہو کہ محبت سے مجبور ہوں اور تم سمجھتی ہو کہ ----

شمیم: (نصیحت کے طوفان سے ڈر کر) یہ میں نے کب کہا (جانے کیلئے اٹھتی ہے) جا تو رہی ہوں۔

خالہ بی: اب کیا سردی میں مرنے کو جاؤ گی۔ دھری ہے دھوپ تمہارے لئے اس وقت، اب بیٹھی ہو تو بیٹھی رہو۔ ننھی سے کہتی ہوں انگیٹھی یہیں لے آئے (دروازہ کی طرف مڑ کر) ننھی! اے ننھی! ---- کتنی دفعہ کہا کہ اللہ کی بندی منہ سے بولا کرو کہ بس چلی آرہی ہوں (ننھی کی آواز دروازے کے پاس آتی ہے اور وہ اندر جھانکتی ہے) ذرا لپک کر کوئلے انگیٹھی میں ڈال کے تو لے آؤ۔ ہاں---- سنو ذرا وہیں دہکا لانا۔ یہ نہیں کہ دھواں پھیلے اور وہاں میری شال الگنی پر پڑی ہو گی وہ بھی لیتی آنا (خود سے) موئی انگلیاں اینٹھی جاتی ہیں۔ کیا بلا کی سردی ہے---- اور شمیم تم کچھ پہنے بھی نہیں ہو۔ کیا کچھ برف کٹ رہی ہے۔

(شمیم خاموشی سے ایک صدری کھونٹی پر سے اتار کر پہننے لگتی ہے)

خالہ بی: بٹی میں تو تمہارے ہی بھلے کو کہتی ہوں.... (ننھی کو آتا دیکھ کر)

اے بس آ بھی چکو بنو بیگم کہ بس چل رہی ہیں دل کی چال (ننھی انگیٹھی لا کر رکھ دیتی ہے) ذرا ادھر سرکاؤ۔ کیا سوزنی چلاؤ گی؟ اوئی.... اے ذرا ادھر.... میں کہتی ہوں (خود دوپٹے سے پکڑ کر سرکاتی ہیں) دل جلانے سے بہتر ہے انسان ہاتھ جلا لے.... لو شمو ذرا سرک کر بیٹھو.... ہاں (ننھی سے) اے بی میرا منہ کیا کھڑی تک رہی ہو (شمو سے).... ہاں تو تمہارے ہی بھلے کیلئے کہتی ہوں۔ تم سمجھتی ہو میرا بھی کچھ فائدہ ہے۔

شمیم: (خواہ مخواہ رنجیدہ ہو کر) جی نہیں تو۔

خالہ بی: واجد اور تم---- دونوں ہی میری زندگی کا آسرا ہو------ میرا جو کچھ ہے تمہارے ہی لئے ہے۔ تم لوگوں کے علاوہ اور کون بیٹھا ہے میرا---- تم سمجھتی ہو گی میں تمہاری دشمن ہوں۔

شمیم: آپ تو یوں ہی کہہ دیتی ہیں۔

خالہ بی: تو پھر کیا تم مجھے اپنا ہمدرد سمجھتی ہو۔ اگر ایسا ہے تو پھر بھول بھول کیوں جاتی ہو۔ جو بات میں کہتی ہوں وہ......

شمیم: کیا بھول جاتی ہوں۔

خالہ بی: یہی کہ میں نے تم سے کتنی دفعہ کہا کہ بھئی عالم کو منع کر دو---- خواہ مخواہ---- یوں ہی.....

شمیم: (کچھ برا مان کر) کیا خواہ مخواہ؟

خالہ بی: یہی کہ وہ یہاں---- نہ آیا کرے---- اب---- تم جانتی ہو کہ----

شمیم: (کچھ نہ سمجھ کر) آئیں؟

خالہ بی: اب تم کوئی ننھا بچہ نہیں۔ جو کچھ نہ سمجھو۔ میں کہتی ہوں وہ آخر کیوں آتا ہے یہاں؟

شمیم: (روہانسی ہو کر) تو خالہ بی کیا میں بلاتی ہوں اسے۔

خالہ بی: تو منع کر دو!

شمیم: منع کر دوں---- وہ مانے بھی- جب میں اسے کہتی ہوں تو کہہ دیتا ہے تمہارا گھر نہیں ہے- تم خود نکل جاؤ یہاں سے---- آپ کیوں منع نہیں کرتیں-

خالہ بی: تم اسے اپنے کمرے میں تو نہ آنے دو- نہ تم منہ لگاؤ گی اور نہ وہ آئے گا-

شمیم: (چڑ کر) میں کب منہ لگاتی ہوں اسے---- وہ واجد کا دوست ہے- برسوں سے آتا ہی ہے اور مجھے تو آپ دیکھتی ہی ہیں پریشان ہی کرتا ہے- میں تو خدا سے چاہتی ہوں وہ نہ آئے-

خالہ بی: کچھ بھی ہو' اس کا اس طرح سے گھس گھس کر آنا اچھا نہیں- لوگ نہ جانے کیا کیا کہنے لگتے ہیں-

شمیم: کیا کیا؟

خالہ بی: ہاں جتنے منہ اتنی باتیں---- اور بیٹی کوئی کسی کا منہ تھوڑی بند کر دیتا ہے-

شمیم: کیا کہیں گے لوگ؟ وہ ہمیشہ سے جب سے بالکل چھوٹا سا تھا ہمارے یہاں آتا ہے-

خالہ بی: اب تم تو---- بس بچہ بنی جاتی ہو- جب کی اور بات تھی بیٹی!

شمیم: کیا بات تھی جب کی-

خالہ بی: یہی کہ بھئی کھاتے پیتے گھر کا لڑکا ہے- کسی دن اچھی خاصی جگہ لگ جائے گا اور اب....

شمیم: (چہرے پر شکنیں ڈال کر) اب کیا ہو گا؟

خالہ بی: اب یہ بات ہے کہ اس کے ابا مقدمے ہار گئے- مکان الگ....

شمیم: پھر اس سے کیا ہوتا ہے؟

خالہ بی: (دبی زبان میں) پھر بس یہی ہوتا ہے کہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہیں---- اور کیا؟

شمیم: تو ہم کیا کریں---- وہ کوئی ہمارے سر پر آن نہیں پڑا---- اپنا کھاتا ہے۔ ہمیں کیا۔

خالہ بی: اے ہے تم تو بس دیوانی ہو۔ بیٹی اب اور بات ہے---- بھئی---- اونہہ لوگ خواہ مخواہ باتیں بنانا شروع کر دیں گے ویسے تمہارے خالو کا ارادہ تھا کہ ہاں بھئی کسی لائق ہو گیا تو دیکھا جائے گا---- مگر اب تو---- بھئی لوگ کیا جانیں---- وہ سمجھیں گے اب بھی وہ اسی خیال سے آتا ہے۔

شمیم: (جل کر) اونہہ آتا ہے۔ وہ کیوں آتا؟ جی ہاں!

خالہ بی: ہاں ہاں۔ مگر لوگ کیا جانیں کہ اب ہمارا ارادہ رشتہ کرنے کا نہیں۔ خواہ مخواہ پیغام آنے بند ہو جاتے ہیں کہ بھئی اب تو ایک جگہ طے ہی ہو گئی۔ تم کیا جانو دنیا کی باتوں کو!

شمیم: (سنجیدگی سے) اچھا---- (عالم کو داہنے دروازے سے جھانکتا دیکھ کر گھبراتی ہے۔ وہ جلدی سے بھاگ جاتا ہے) اچھا---- خالہ بی---- میں---- ہا---- ہاں۔

خالہ بی: (خوش ہو کر) ہاں بیٹی تم سمجھ دار ہو---- اور تمہارے ہی بھلے کی کہتی ہوں۔ ذرا بال سکھا لو تو باہر آؤ---- میں ذرا کھانے وانے کا انتظام کروں جا کے (بہلانے کو) کب تک کھل رہا ہے اسکول تمہارا؟ کچھ کپڑے وغیرہ بھی ٹھیک کیے یا یوں ہی! ساڑھیاں تو کلکتہ سے منگوا لو، غنی کو جمپر دے دو---- آج آیا تھا۔ تم سو رہی تھیں۔ پورے سال کا انتظام کر لو---- اے ہاں، بیچ میں تو ضرورت نہ پڑے تمہارا ہی فائدہ ہے (جاتی ہیں)

عالم: (اکڑتے ہوئے دوسرے دروازہ سے داخل ہو کر) فائدہ---- فائدہ، بس ہر وقت فائدہ۔ جب دیکھو فائدہ۔ ہونہہ! بننے کی سی روح پائی ہے قسم خدا کی!

(شمیم اسے دیکھ کر تیوریاں چڑھاتی ہے)

عالم: کہاں گیا وہ جن؟

شمیم: میچ دیکھنے۔

عالم: میچ دیکھنے! اور ہمیں لائبریری میں بٹھا گیا پڑھنے کو، کہ امتحان آ رہے ہیں۔ قسم خدا کی!

شمیم: (جلدی بات ختم کرنے کو) تو کیا ہوا جو آج پڑھ لیا۔ اب چلے جاؤ میچ دیکھنے۔

عالم: اب چلے جاؤ۔ ہونہہ! گویا میرے لئے رات بھر میچ ہوتا رہے گا۔ آخر اس باجی کو حق کیا ہے کہ خود تو جائے میچ دیکھنے، اور ہمیں پڑھوائے تین گھنٹے.... (تین انگلیاں ہلا کر) خدا کی قسم تین گھنٹے جت کے---- متواتر! سوچو ذرا---- تین۔ اتنی دیر میں نہ جانے کتنے میچ دیکھے جا سکتے ہیں۔

شمیم: (ٹالنے کو) تو اب واجد سے لڑنا۔ میرا دماغ تو نہ چاٹو، جاؤ۔

عالم: (کھڑے ہی کھڑے) دماغ! ہونہہ، گویا آپ کے بھی ہے۔ خوب! خالی ہنڈیا بھلا میں کیا چاٹوں گا۔

شمیم: (بہانہ پا کر) ہو گا۔ خیر جاؤ۔ میں اس وقت---- (کتاب پڑھنے لگتی ہے) فضول بکواس!

عالم: فضول---- اور بکواس---- دو لفظ بد تمیزی کے (کتاب چھین کر پھینکتے ہوئے) ہم تین گھنٹے پڑھ کر آ رہے ہیں۔ کتاب دیکھ کر جی متلا رہا ہے۔ بس----

شمیم: (غصہ سے) بھئی ہو چکی بدمذاقی---- ہر وقت یہی---- خیر جاؤ یہاں سے (کتاب اٹھا کر جھاڑتی ہے) جاؤ نا!

عالم: ضرور! (بیٹھ جاتا ہے) تم کون بھیجنے والی۔

شمیم: (غرور سے بڑبڑا کر) نہ جاؤ میری بلا سے۔

عالم: بلا سے! تم خود بلا ہو---- ہونہہ! گویا بڑی----

(شمیم مذاق بڑھانا نہیں چاہتی لہٰذا چپ ہتھیلی پر ٹھوڑی رکھ کر بیٹھ کر پڑھنے لگتی ہے)

عالم: خیر بھئی پڑھو۔

(اٹھ کر اس کی پشت پر الماری میں کتابیں دیکھنے لگتا ہے۔ کن انکھیوں سے اسے دیکھتا جاتا ہے۔ قریب آکر آہستہ سے اس کا ایک بال پکڑ کر کھینچتا ہے۔ شمیم صرف سر کھجاتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد عالم پھر ایک بال توڑتا ہے وہ بال سمیٹ کر جوڑا باندھ لیتی ہے۔ عالم ایک سگریٹ سلگاتا ہے۔ بجھی ہوئی دیا سلائی اس کی انگلی سے لگا دیتا ہے۔ شمیم اچھل پڑتی ہے اور مڑ کر اسے گھورتی ہے۔ عالم بے تعلقی سے کرخت چہرہ بنائے کتابوں کو گھورتا ہے)

شمیم: بیہودہ کہیں کے۔ میں خالہ بی سے کہہ دوں گی۔ بے حیا کہیں کے۔ میں گھنٹہ بھر سے کہہ رہی ہوں جاؤ' جاؤ' سنتے ہی نہیں۔ کوئی اور ہوتا تو کبھی نہ آتا پھر اس کمرے میں۔

عالم: بدتمیز تم خود اور بے حیا پرلے درجے کی۔ بس' کوئی اور ہوتا تو پکڑ کے تمہیں ٹھوکتا بری طرح۔ کوئی تمہارے یہاں آئے اور تم تھوتھنی بجھا کر بیٹھ جاؤ۔

شمیم: میں کہتی ہوں جب کم بخت کسی کی یہاں ضرورت نہ ہو تو پھر کوئی کیوں آئے۔ لعنت ہے۔

عالم: لعنت خود تمہارے منہ پر' پڑھنا خاک نہیں آتا لیکے بیٹھی ہیں ٹالسٹائی۔

شمیم: اندھے! یہ ٹالسٹائی ہے! (دکھا کر) ہارڈی ہے۔

عالم: وہ ہارڈی ہوں یا پھارڈی۔ تمہارے بس کا روگ نہیں۔ کیوں دماغ کھپا رہی ہو---- اس سے بہتر ہے کہ جا کر روٹی پکانا سیکھو۔ جو کسی کام بھی آئے۔

شمیم: روٹی پکانا سیکھو تم۔ جسے باورچی گیری کرنی ہو۔

عالم: یہی تو خرابی ہے پڑھی لکھی لڑکیوں میں کہ گھر کے کام کاج سے نفرت کرنے لگتی ہیں۔

شمیم: (بے پروائی سے) ہونے دو خرابی' تمہاری بلا سے۔

عالم: لیکن پھر بھی اگر پکانا پڑے تو کیا کرو تم؟

شمیم: کیوں پکانا پڑے۔ خدا نہ کرے تمہیں بھیک مانگنا پڑے تو؟

عالم: کسی وقت نہ ہو نوکر تو کون پکائے؟
شمیم: تم پکاؤ اور کون؟ جاؤ یہاں سے بک بک نہ کرو۔ ورنہ کہتی ہوں خالہ بی سے۔
عالم: کہہ دو، ہزار دفعہ کہہ دو.... نہیں جاتے۔
(پیچھے دروازے سے واجد آتا ہے)
واجد: (آکر بغیر سوچے سمجھے) ہاں نہیں جاتے، کیوں جائیں؟
عالم: (شیر ہو کر) کیوں جائیں؟ بے شک!
شمیم: تمہارے تو اچھے بھی جائیں گے میرے کمرے سے!
واجد: قطعی نہیں، بیٹھ جاؤ عالم لو (بیٹھ کر) نہیں جاتے کر لو کچھ۔
عالم: (فوراً نقل کرتے ہیں) ہاں کر لو کچھ۔
شمیم: تم نہ جاؤ۔ میں خود جاتی ہوں (جانے لگتی ہے)
واجد: نہ، نہ، تم بھی نہیں جا سکتیں۔ لینا عالم اسے....
(شمیم جلدی سے بھاگ جاتی ہے لیکن دونوں بچوں کی طرح اسے پکڑ کے لے آتے ہیں۔ ایک ایک بازو دونوں پکڑے لفٹ رائٹ کرتے آتے ہیں۔ شمیم کچھ چڑ کر ہنس رہی ہے۔ کچھ واپس جانے کی فکر کر رہی ہے)
شمیم: چھوڑو بھئی!
(دونوں اسے چوکی پر بٹھا کر دونوں طرف گھس کر بیٹھ جاتے ہیں)
واجد: ہوں، اب بولو۔
عالم: ہاں اب بولو۔ چلیں بھاگ کے سمجھی تھیں ہم تو مر ہی گئے ہیں۔
شمیم: بھئی کیا بدتمیزی ہے (گرفت سے نکل جاتی ہے)
(دونوں پکڑ لیتے ہیں) چلیں کہاں؟
شمیم: (تھک کر) چھوڑو تو۔ کہیں نہیں۔ بھئی جا نہیں رہی ہوں۔ یہیں بیٹھوں گی کرسی پر۔
واجد: اچھا لو---- چھوڑ دو عالم---- ہاں بات کیا تھی؟

(وہ ذرا ہلتی ہے تو دونوں اسے ایک دم دبوچ لیتے ہیں)

شمیم: بھئی خدا کی قسم میں رو دوں گی (کتاب اٹھا کر) اب کے جو تم نے چھوا تو مار دوں گی اور اب آؤ (عالم اور واجد کتاب کو ڈر کر دیکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے قریب فرمانبردار بچوں کی طرح بیٹھ جاتے ہیں)

شمیم: بات یہ تھی----

عالم: نہیں---- بات دراصل یہ تھی----

شمیم: قطعی نہیں---- یہ ہوا کہ----

عالم: ہوا ہی نہیں---- قطعی نہیں (شمیم اسے بولنے کا موقع دیتی ہے) یہ ہوا کیا ہوا۔ شمیم بتاؤ نا' لے کے سارا بھلا دیا---- اونہہ!

شمیم: ہوا کچھ بھی نہیں۔

واجد: ہیں---- کیا الوپن ہے' آخر جب کچھ ہوا ہی نہیں تو پھر تمہیں کیا حق جو عالم کو کمرے سے نکال رہی ہو۔

عالم: (بھیگی بلی کی طرح) تمہیں دیکھو اب۔

شمیم: بھئی بات یہ تھی کہ میں نے کہا میرے کمرے میں سے جاؤ۔

واجد: کیوں صاحب' کیوں جاؤ---- یعنی بات کچھ بھی نہیں اور جاؤ---- (ہاتھ چلا کر) کیوں؟

شمیم: بھئی میری مرضی' میں نہیں چاہتی۔

عالم: (زور سے قہقہہ لگا کر) ذرا ان کی سننا وجن "نہیں چاہتی" گویا انہیں چاہنے اور نہ چاہنے کا حق بھی ہے کچھ' ارے یہ کیسے؟

واجد: ہاں' یہ کیسے؟

شمیم: بھئی میں نہیں پسند کرتی۔

عالم: پسند---- لو---- وجن (کندھے سے ٹھوکا دے کر) اب لو' اب تک تو چاہا ہی کرتی تھیں۔ اب پسند کرنے بھی چلیں۔ یہ کیسے؟---- بھائی تم تو بس جو خالہ بی کہتی تھیں اور چاہتی تھیں وہی کرتی تھیں' اب یہ سوراج کیسے مل

گیا۔

شمیم: واہ---- یہ کیوں---- واہ---- اوہو!

عالم: اب ہکلانے سے کیا ہوتا ہے کیا معلوم نہیں ہے۔ حقیقت تمہاری' کیوں وجن! ہم انہیں غلام کہتے ہیں نا؟---- غلمٹا!

واجد: (ٹائی کو سینے پر سنبھالتے ہوئے) بے شک۔

شمیم: کیوں آخر؟

واجد: ایسے ہی۔

شمیم: تم خود کمینے' غلام' بدتمیز' کم بخت' بس اب ہوئے ٹھیک!

عالم: اور کچھ' اور کہو' بھلا پھول سے جھڑ رہے ہیں۔ بس' میرا بس چلے تو ایسی چھوکریوں کی زبان کاٹ لوں۔ قسم خدا کی!

شمیم: تمہارا بس چلنے ہی کیوں لگا تھا۔ خدا گنجے کو ناخن ہی نہیں دے گا۔

عالم: یہ ہیں تو لمبے لمبے ڈائنوں جیسے (اس کی انگلیاں جن میں لمبے ناخنوں پر روغن لگا ہے پکڑ کر) یہ دیکھو---- کیوں وجن؟

شمیم: (غصہ سے کتاب مار کر) ہٹاؤ ہاتھ بدتمیز---- میں کہتی ہوں بہتر ہے چلے جاؤ یہاں سے۔

واجد: کیوں---- اوں؟ آخر وجہ بھی ہو کچھ یا یوں ہی۔ اور تم جو آئیں ہمارے کمرے میں تو پھر ہم بھی نکالیں گے اور مار کے نکالیں گے پھر نہ کہنا۔

عالم: ہاں آؤ تم ذرا باہر' دیکھو کیسا ٹھیک بناتے ہیں اور اب کے آ جائیں تمہاری مس شاہ۔ یار وجن میرے سگریٹ چرا چرا کر لے جاتی ہے' کلچڑی!

واجد: (چڑانے کو) اور وہ کون ہیں---- مس---- مس پھٹیچر سی---- ان سے ہماری شادی کرا دو' سنا!

شمیم: (روہانسی ہو کر) بھئی میں خالہ بی سے کہتی ہوں جا کر کہ مجھے سنبھل بھیج دو' ہاں نہیں تو اب کے بورڈنگ میں رہوں گی۔

واجد: پھر بات کیا ہے؟ عالم (آنکھ مار کر) تم جاؤ ذرا ہمیں بتائے گی شمو

(اس کے گلے میں باہیں ڈال کر) ہاں، ہماری تو بن ہے، کیوں؟

عالم: خیر---- اچھا (جاتا ہے)

شمیم: (اٹھ کر، اچک اچک کر گیلری کی طرف دیکھتے ہوئے گیا یا نہیں) میں---- یہ بات تھی، خالہ بی نے کہا (پھر دیکھتی ہے)---- وہ-----

واجد: کیا واقعی کوئی بات ہے؟ ارے بلاؤ عالم- اس سے کوئی بات چھپ سکتی ہے-

شمیم: (روک کر) نہیں- اسے نہ بلاؤ، سنو تو!

واجد: کہو بھی کہہ بھی چکو- پھر بتا تو دوں گا ہی-

شمیم: خالہ بی کہتی ہیں، وہ ہمارے یہاں نہ آئے-

واجد: کیوں نہ آئے؟ وہ میرا دوست ہے- میں جہاں جا سکتا ہوں، وہ بھی جا سکتا ہے- وجہ کیا؟

شمیم: وہ کہتی ہیں اس کا باپ مقدمہ ہار گیا اور جانے کیا کیا---- بھئی مجھے نہیں معلوم!

واجد: ارے مقدمہ ہارے باپ اور آنا عالم کا بند ہو- وہ مقدمہ ہی ہارنے والا تھا- پھر بھلا عالم سے----

شمیم: جانے کیا، بھئی وہ کہتی ہیں عالم نہ آئے-

واجد: آخر کیوں؟

شمیم: وہ کہتی ہیں کہ لوگ نہ جانے کیا کہیں گے-

واجد: کیا کہیں گے کہ وہ کیوں آتا ہے، کہنے دو-

شمیم: ہاں وہ کہتی ہیں کہ لوگ باتیں بنائیں گے-

واجد: (کچھ سوچ کر) کیا یہی کہیں گے کہ وہ یہاں---- تم سے---- تمہارے....

شمیم: (چڑ کر) بھئی میں کب کہہ رہی ہوں؟ واہ!

واجد: (بگڑ کر) کیا سمجھا ہے تم نے میرے دوستوں کو! کوئی وہ غنڈے ہیں؟

کیا قصہ ہے۔

معاف کیجئے گا میرے دوست لفنگے نہیں۔ وہ قطعی تمہارے---- وہ میرے دوست ہیں نہ کہ آپ کے---- آپ.....

شمیم: (قریب قریب رو کر) بھئی---- الٹا مجھ سے لڑنے لگے---- یہ بھی کوئی بات ہے!

واجد: خوب! شہ' میں ابھی کہتا ہوں ضرور آئے گا عالم ضرور---- ایسے ہی آئے گا' سمجھیں۔

(پکار کر) عالم!---- ارے عالم!!----

شمیم: خدا کیلئے اس سے تو نہ کہو۔

واجد: کیوں نہ کہوں! میں نے آج تک اس سے کوئی بات چھپائی نہیں-----

عالم: (اٹھ کر دروازے میں سے جھانکتا ہے) ارے کہاں گیا؟---- شاید----

(سنجیدہ ہو جاتا ہے)

شمیم: (اداسی سے) ہاں مجھے بھی آہٹ معلوم ہوئی تھی---- شاید وہ سن رہا تھا۔

واجد: (غصہ سے) یہ بہت---- یہ حد ہے۔ میں اپنے دوستوں کی اس قسم کی ہتک برداشت نہیں کر سکتا۔ میں آج ہی بورڈنگ چلا جاؤں گا.... فوراً.... کیا سمجھا ہے!

شمیم: تم تو ایسے غصے ہو رہے ہو گویا میں نے ہی کچھ کیا ہو۔

واجد: میں یہ ذلت برداشت نہیں کر سکتا---- انتہا ہے---- اس قسم کی باتیں---- میں آج ہی----

عالم: (پشت کی کھڑکی سے) ار---- بھئی ہو چکیں پرائیویٹ باتیں----؟ آجائیں اب؟

واجد: (ایک دم گھوم کر) عالم---- ارے آؤ---- یہ دیکھو----
ابھی----

عالم: (آکر کرسی پر ٹھاٹھ سے لیٹتے ہوئے) کیا کر رہی تھی میری بدیاں یہ شمیم!----

یار وجن! یہ بہت ہی سرچڑھتی جا رہی ہے---- اب ذرا کرا پکڑوا سے۔

واجد: ہم سمجھے تم ہماری باتیں سن رہے تھے۔ عالم سچ بتاؤ، تم یہاں کیوں آتے ہو---- کیا صرف۔

عالم: صرف اس سے باتیں کرنے کون بے وقوف آ سکتا ہے۔ اسے سوائے زبان درازی کے اور کیا باتیں آتی ہیں۔

واجد: پھر؟

عالم: پھر کیا؟ کیسا بھدا سوال ہے۔ ارے بھئی ہم آتے ہیں یہاں باجرے کی کھچڑی کھانے دال بھری روٹیاں کھانے، کیرم کھیلنے اور شلغم کا اچار کھانے اور ہاں (ایک دم سے) یار بہت دن سے اچار ہی نہیں بنا..... کل باجرے کی کھچڑی کے ساتھ رہے۔ کیوں؟

واجد: (خوشی سے) تو پھر تم اس کے پاس تو نہیں آتے؟---- صرف اس سے باتیں کرنے اور----

عالم: مہا بے وقوف ہو تم۔ ان کی کھوپڑی میں ہے ہی کیا۔ سوائے ساری جمپر اور لپ اسٹک کے۔

شمیم: کچھی ہو ہماری کھوپڑی میں---- جی ہاں۔ گویا بڑے وہ----

عالم: کچھ ہی کیا گودڑ ہے۔

شمیم: اب دیکھو واجد میری کوئی سہیلی کبھی تم سے اس قدر بد تمیزی کرتی ہے، جو یہی۔

عالم: کر سکتی ہے بد تمیزی تمہاری کوئی پاجی سہیلی؟ ٹھوکیں نہ ہم اسے ڈنڈوں سے! سر پھاڑ دیں، کیوں---- وجن---- یار سچ کہتا ہوں---- ہدا کو تو

ایک دن پیٹنا ہی پڑے گا ہمیں۔

واجد: اور کیا، مگر سنو تو خالہ بی کہتی ہیں....

شمیم: کیا ہے وجن، پھر تم....

واجد: کچھ نہیں ہم ضرور بتائیں گے ایک ایک بات (عالم سے) ہم سمجھے تم ہماری باتیں سن رہے تھے۔

عالم: (بے پروائی سے) سن ہی جو رہے تھے۔

واجد: ارے.... پھر.... تم، ہم سمجھے غصہ ہو کر چلے گئے۔

عالم: غصہ ہو کر، یہ کیوں؟ خالہ بی جیسے تمہاری بزرگ ہیں ویسے ہی میری۔وہ مجھے کتنا ہی دھتکاریں پروا نہیں۔ وہ ایک دروازے سے نکالیں دوسرے سے واپس آ جاؤں یہی کرتا ہوں۔ ابھی ان سے شمیم کے کمرے میں کبھی نہ آنے کا عدہ کر کے باہر سے گھوم کر آ گیا.... (زور سے ہنستا ہے) اور کیا! خدا کی قسم اور کیا؟

واجد خوشی سے مسکراتا ہے اور شمیم بھی اپنی ہنسی روک رہی ہے)

دوسرا سین

(شام، برآمدہ میں چوکیوں کے فرش پر خالہ بی بیٹھی چھالیہ کتر رہی ہیں۔ عالم اوندھا ایک کشن پر کہنیاں ٹکائے بچھو کے ڈنک کی طرح ٹانگیں اوپر کو اٹھائے ہے وہ صرف سفید پتلون اور قمیض پہنے ہے۔ چھالیہ کی ٹوکری میں سے دانے چن چن کر کھا رہا ہے)

خالہ بی: کب کھلے گا تمہارا کالج؟

عالم: یہی کوئی پندرہ تک کھل جائے گا۔ سوچ سوچ کر خون خشک ہو رہا ہے کہ ختم ہو گئیں چھٹیاں!

خالہ بی: اوئی، خیر اتنے بڑی ہو گئے، پڑھنے سے دم نکلتا ہے۔

عالم: کیا کروں خالہ بی! مزدور آدمی ہوں مزدور۔ جتنی چاہو محنت لے لو۔ دماغی محنت نہیں کی جاتی۔ ابا امتحان زبردستی دلوا رہے ہیں۔ کھوپڑی بالکل کھکل

ہے- نجومی نے بتایا تھا لڑائی میں کام آؤ گے- علم تمہاری قسمت ہی میں نہیں-

خالہ بی: اے ہٹو، ان نجومیوں کا کیا ہے، جھوٹے نگوڑے-

عالم: نہیں خالہ بی جھوٹ نہیں- بعض وقت تو یہ پتے کی بات بتا جاتے ہیں- میرے دوست کو ٹھیک بتایا-

خالہ بی: (کچھ سوچتے ہوئے مگر ٹال کر) اے ہٹو بھی-

عالم: مذاق سے نہیں خالہ بی- ان کی بعض باتیں بالکل ٹھیک بیٹھتی ہیں-

خالہ بی: (سروتہ دوسرے ہاتھ میں لے کر اپنا ہاتھ دیکھتے ہوئے) بھلا کیسے بتا دیتے ہیں یہ لوگ؟

عالم: (ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر) لائیے میں دیکھوں-

(ہاتھ پکڑ کر غور سے دیکھتا ہے- خالہ بی عجیب نظروں سے سانس روکے اس کے چہرے کو تکتی رہیں)

عالم: ہوں- آ- یہ- ہوں ٹھیک، اچھا-

خالہ بی: (انتظار سے تھک کر) ارے خاک پتہ چلتا ہو گا لکیروں سے-

عالم: چلتا کیوں نہیں؟ یہ دیکھیئے!---- آں-

خالہ بی: اے پھر بتاؤ بھی کچھ-

عالم: (چھنگلی سے لکیروں پر نشان بنا کر) روپیہ! بہت-

خالہ بی: کیا نئی بات بتائی---- مگر وہ اب میں نے بچوں کے نام کردیا--

عالم: ہوں، مگر چین نہیں- سکون قلب میسر نہیں-

خالہ بی: (چہرے کا رنگ بدلتا ہے) ہوں اور.....

عالم: بہت، اے بہت کمزور دل، تکلیف-

خالہ بی: (ٹھنڈی سانس لے کر) دل تو بہت دن سے کمزور ہو گیا ہے-

عالم: اور---- شاعرانہ---- خواب---- تخیل بلند-

خالہ بی: لڑکیوں کی طرح ہنس کر) ارے!

عالم: (دیکھتے ہوئے) کیوں؟

خالہ بی: اے یہی بلند تخیل---- نظم نما نثر لکھنے کا تو بہت شوق تھا- چھپی

بھی دو ایک جگہ اخباروں میں۔ وہ تو کہو اب گھر کے جھگڑوں سے فرصت نہیں ملتی اور کچھ ڈھنگ کی بات بتاؤ تو جانیں۔

عالم: جی---- اور---- الجھن---- پریشان دماغ' بالکل فلاسفروں کا سا' خیالات کی بھرمار۔

خالہ بی: (غمزدہ تبسم سے) اور۔

عالم: (اور ایک دم پھٹ سے) دو بچے نہیں تین۔

خالہ بی: (شرما کر ہاتھ کھینچتے ہوئے) ہٹ دیوانے۔

عالم: کیوں کیا ہوا۔ آپ شادی کریں تو---- (ہنس کر) اچھا لائیے دیکھنے تو دیجئے۔ (ہاتھ پکڑ لیتا ہے)

خالہ بی: تو ڈھنگ کی باتیں بتاؤ نا۔

عالم: آپ دیکھنے بھی دیں---- اور پھر آپ کہیں گی "ہٹ دیوانے"۔

خالہ بی: اے تو پھر---- یہ بھی کوئی بات ہے۔

عالم: اچھا۔ ہوں (غور سے دیکھ کر) ناکامی۔ پہلی محبت میں ناکامی۔

(خالہ بی ایسی نظریں زمین میں گاڑی دیتی ہیں گویا پکڑی گئیں)

خالہ بی: بیالیسواں سال لگا تھا پچھلے رجب۔

عالم: (بنانے کے لئے) ہیں۔ مگر ارے۔ میں آپ کو ہمیشہ تیس برس کا سمجھتا تھا۔ بلکہ اس سے بھی کم---- یعنی آپ شمیم کی بڑی بہن معلوم ہوتی ہیں۔ بھئی خدا کی قسم! تعجب!

خالہ بی: سب یہی کہتے ہیں---- بکتے ہیں (کچھ دلچسپ باتیں معلوم کرنے کے لئے) اور کچھ۔

عالم: بھئی آپ ماریں گی پھر۔

خالہ بی: کیا؟---- کیا بات ہے؟ کہو تو۔

عالم: شادی---- بہت جلد------

خالہ بی: (شرم سے گلابی ہو کر) اونہہ۔ اے ہٹ لڑکے!

عالم: مجھے کیا معلوم! بھئی ہاتھ کہتا ہے۔ دل کا حال کسے معلوم؟ اور خالہ بی

ہاتھ جھوٹ نہیں کہتا----- ہاں--- (زور زور سے ہنستا ہے۔ خالہ بی مسکراتی ہیں) بھئی' خوب-----

شمیم: (آکر) خالہ بی! دھوبن میری نیلی شلوار ساری پھاڑ لائی۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔

خالہ بی: (غیر شاعرانہ موضوع سے چڑ کر) اے تم نے ہی پھٹی ہوئی دی ہو گی۔

عالم: لاؤ تمہارا ہاتھ بھی دیکھ دوں۔ شمیم!

شمیم: نہیں بھئی رہنے دو۔ (خالہ بی سے) بالکل ثابت دی تھی اور اب سارے پائنچے غائب۔

عالم: (اس کا ہاتھ پکڑ کر جو بے خبر باتیں کر رہی ہے) اے ہے بس پیٹ چکیں شلوار کی جان کو۔ ادھر تو سنو۔ ذرا یہ دیکھو---- یہ----

شمیم: (ہاتھ کھینچ کر) چھوڑو بھئی۔ میں نہیں دکھاتی۔

خالہ بی: کیا ہرج ہے کوئی کھا جائے گا تمہارا ہاتھ دکھا دو نا!

شمیم: (ہاتھ ڈھیلا کر کے) اونہہ---- بھئی مجھے نہیں اچھا لگتا۔ مجھے کام الگ ہے----

عالم: (غور سے ہاتھ دیکھ کر) غریبی----- پریشانی----ذلت۔ ڈانٹیں۔

شمیم: سب جھوٹ۔ لگے باتیں بنانے۔ سارا جھوٹ۔

عالم: جھوٹ؟ ارے یہ دیکھو۔ یہ دن رات کی جوتیاں' میاں کی الگ (ہاتھ کھینچتی ہے) اور سنو۔ جوان موت۔ اف۔

شمیم: ہونے دو بھئی۔ چھوڑو (ہاتھ کھینچتی ہے)

عالم: اور---- امتحان میں فیل۔ اور روپے کا نقصان۔ دشمن گھات میں۔

شمیم: تم خود فیل ہو جاؤ خدا کرے۔ ہٹو!

عالم: ٹھہرو ابھی---- (ہاتھ بے کار اس قدر موڑتا ہے کہ شمیم رونے پر آ جاتی ہے) اور او---- فو----ہ!

شمیم: ہوں---- جھوٹ۔

عالم: کیا جھوٹ۔ ایک ایک بات ٹھیک اور یہ یہ----- تیرہ غضب خدا کا۔

لعنت اللہ ہے۔ توبہ۔ اللہ!

خالہ بی: کیا تیرہ؟

عالم: اجی بچے۔۔۔۔۔ ایک دم تیرہ۔ خدا۔ ق قسم تیرہ بچے!!

شمیم: (زور سے ہاتھ چھڑا کر) بدتمیز۔۔۔۔۔ زمانہ بھر کے (اٹھ کر بڑبڑائی چلی جاتی ہے)

عالم: ارے۔۔۔۔ سنو تو!۔۔۔۔۔ اور تو سنتی جاؤ۔

خالہ بی: بڑی بد مزاج ہو گئی ہے۔

عالم: بڑی صاحب۔ انتہا ہے (اٹھتا ہے) حد ہے اور آپ ڈانٹتی بھی نہیں اسے (جانے لگتا ہے)

خالہ بی: کہاں چلے؟

عالم: ذرا کتابیں لینا ہیں۔ شمیم کے کمرے میں بھول گیا تھا اس دن۔ (چلا جاتا ہے) (خالہ بی غصہ اور نفرت سے اسے جاتا دیکھتی ہیں۔ زور زور سے چھالیہ کترتی ہیں۔ ہلکی سی رقابت اور نفرت کی ملی جلی جھلک سی چہرے پر نظر آتی ہے۔ ڈلی کا ایک بڑا سا ٹکڑا ایک پر معنی کھٹا کے سے کاٹتی ہیں گویا وہ مارا دشمن کو)

تیسرا سین

(اسی خالہ بی والے برآمدے میں خالہ بی پاندان کھولے اسے پتھیروں سے صاف کر رہی ہیں۔ کپڑوں میں خلافِ معمول ہلکی سی رنگین نے ان کے ہلکے گلابی چہرے کو بلا کا دلکش بنا دیا ہے۔ عالم چست پاجامہ اور باریک ململ کا کرتا پہنے ایک صوفے پر ایسے لیٹا ہے کہ اس کے پیر گھٹنے تک نیچے لٹک رہے ہیں۔ واجد شمیم کے گھٹنے پر سر رکھے اس سے دور لیٹا ہے شمیم کتاب پڑھ رہی ہے)

واجد: خالہ بی مٹر پلاؤ نہیں پکا بہت دن سے کل پکے۔

عالم: مٹر پلاؤ نہیں۔ پائے پکیں۔

واجد: لاحول ولا قوۃ۔ پائے بھی کوئی کھانے کی چیز ہیں اس سے اچھا کیچڑ نہ کھالو۔ بھئی شمو کیا پکے؟۔۔۔۔۔ پائے یا مٹر پلاؤ!

شمیم: (جلانے کو) کچھ بھی نہ پکے۔ بس ارد کی دال۔
واجد: ہٹ بد تمیز (اس کی کتاب اپنے سر سے ٹکراتی دیکھ کر) اونہہ۔ اب ہٹاؤ اس کتاب کو (لے کر دور پھینک دیتا ہے)
شمیم: بھئی تم کون ہوتے ہو؟ (اٹھ کر کتاب لینا چاہتی ہے مگر عالم اٹھا کر اپنے سر کے نیچے رکھ لیتا ہے) لاؤ میری کتاب دو۔۔۔۔۔۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ تم لوگوں کے پاس بیٹھنا ہی حماقت ہے۔
عالم: نہیں دیتے۔۔۔۔۔ ہمارے سر میں درد ہے۔
شمیم: (کشن پھینک کر) لو یہ تکیہ۔
عالم: دیکھا خالہ بی! کیسا زور سے تکیہ مارا ہے۔ ویسے ہی سر میں درد ہے۔
واجد: کیا واقعی درد ہے۔
عالم: (سنجیدگی سے سر سہلا کر) ہاں دھوپ میں جانے سے ہو گیا ہے۔
واجد: (چمکار کر) شمو جاؤ۔ بام لا کر مل دو اس کے (اسے منہ بناتے دیکھ کر) کیسی خراب ہو تم۔ ارے میں آپ لا کر مل دوں گا۔ عالم اتنا کام کرتا ہے تمہارا اور تم ذرا سے کام سے مرنے لگتی ہو۔۔(جاتا ہے)
خالہ بی: ادھر آؤ عالم۔ میں دیکھوں۔
عالم: (پاس آکر لیٹتے ہوئے) یہاں ہے۔۔۔۔ کنپٹیوں کے پاس۔
خالہ بی: اے کاہے سے ہو گیا؟
عالم: نہ جانے۔۔۔۔۔
خالہ بی: (کشن رکھ کر بڑی نرمی سے اس پر عالم کا سر رکھتی ہیں۔۔۔۔۔ اور اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتی ہیں) ٹھہرو۔۔۔۔۔ ارے ننھی۔۔۔۔ او ننھی۔۔۔۔
ننھی: (دور سے) جی آئی۔
خالہ بی: اے آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ فرید سے کہہ دو کل کے لئے آج ہی پائے لے آئی اور سنو۔۔۔۔۔۔ ابھی مصالحہ پیسنا شروع کر دو آتے ہی چڑھا دینا۔ رات بھر پکیں گے سنا۔۔۔۔ اور ذرا سا خمیر چھوڑ دینا (ننھی کی طرف سے مطمئن ہو کر، محبت سے) کچھ مٹھاس بھی پکواؤں۔ تمہیں میٹھے ٹکڑے پسند ہیں۔۔۔۔۔

کیوں عالم؟

عالم: جی ہاں، اور مٹر پلاؤ بھی وجن کو پسند ہے۔

واجد: (بام لا کر دیتا ہے) لو۔ شمیم ذرا اب مل تو دو۔

خالہ بی: لاؤ میں مل دوں۔

(بام لے کر اس کی پیشانی پر ملتی ہیں۔ بڑے انہماک سے اس کی پیشانی اور کنپٹیوں کو ملتی ہیں۔ شمیم کچھ دیر باؤلوں کی طرح بیٹھی رہتی ہے، پھر اٹھ کر چل دیتی ہے)

واجد: میں ذرا کپڑے بدل آؤں۔ تم تو چلو گے نہیں، سر میں درد ہے۔ میں ذرا یوسف کے ہمراہ سینما جا رہا ہوں۔ آج غضب کی اچھی پکچر ہے۔

عالم: (آنکھیں بند کئے) ہوں۔ (واجد جاتا ہے۔ عالم آنکھیں بند کئے خاموش لیٹا رہتا ہے)

خالہ بی: (ذرا جھک کر) بخار تو نہیں؟ (دوسرا ہاتھ اس کی گردن پر رکھ کر دیکھتی ہیں پھر اپنا ماتھا چھوتی ہیں) نہیں پنڈا تو ٹھنڈا پڑا ہے۔ کیسا ہے اب جی؟

عالم: (ویسے ہی آنکھیں بند کئے) بڑا سکون مل رہا ہے------ آہا----- ہا----- سی----- (آنکھیں بند کئے انگلیوں سے کھیلتا ہے)

(خالہ پیشانی پر سے اس کے بال ہٹا کر غور سے اسے دیکھتی ہیں۔ دوسرے ہاتھ سے اس کے گریبان کے کھلے ہوئے بٹن کو بند کرتی ہیں۔ آنکھیں اور بھی سیاہ اور دلکش ہو جاتی ہیں اور ہونٹ لرزنے لگتے ہیں۔ سر جھک جاتا ہے۔ گرم گرم سانس کو کان کے نیچے محسوس کر کے عالم آنکھیں کھول دیتا ہے۔ خالہ بی کی آنکھیں چار ہوتے ہی گھبرا کر اور آنکھیں پھاڑ دیتا ہے۔ ان کی آنکھیں نہ جانے کیا کیا کہہ جاتی ہے---- اور وہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور نہ معلوم کس غیر انسانی شے سے ڈر کر چاروں طرف دیکھتا ہے۔ خالہ بی کے چہرے کی سرخی لہروں کی طرح دم بدم اونچی نیچی ہوتی ہے وہ اس کی طرف دیکھتی ہیں)

عالم: (گھبرا کر پیشانی چھو کر) ارے۔ بالکل غائب۔ سر میں بالکل درد نہیں رہا---- جیسے---- (شرمندہ ہو کر سر جھکا دیتا ہے)

خالہ بی: (ذرا چہرے کی سرخی کو دبا کر) کہاں چلے؟ سر کا درد ایسا بھی کیا
کہ ---- جادو سے اچھا ہو گیا۔
عالم: جی ---- جی ---- ہاں۔ اب بالکل اچھا ہے۔ گویا کبھی نہ ہوا۔
اڑ گیا ---- دماغ۔ (سر پکڑ کر جانے لگتا ہے)
خالہ بی: بیٹھو ---- چائے بنواؤں۔
عالم: (بغیر نظر ملائے) جی نہیں۔ چائے تو اور گرم ہو گی (دروازے کی طرف
بڑھتا ہے) (شمیم داخل ہوتی ہے)
عالم: (اسے دیکھ کر، ہمت بندھ جاتی ہے) ارے شمیم۔ وجّن کہاں ہے؟
شمیم: کمرے میں اپنے اور کہاں! (بے تعلقی سے اپنی چادر اٹھا کر جانے لگتی
ہے۔ جو بھول گئی تھی)
عالم: (اس کے جانے سے گھبرا کر) سنو تو، اگر تم میری کتاب پڑھ چکی ہو تو
دے دو۔
شمیم: (بالکل دروازے کے پاس سے) اب کل میں تمہارے کمرے پر
بھجوادوں گی، اس وقت تو نہیں۔
عالم: (بچنے کے لئے بالکل اس کے قریب جا کر) مگر دیکھو ---- (شمیم چلی
جاتی ہے۔ سنو تو۔
خالہ بی: (اسے جاتا دیکھ کر) عالم!
عالم: (بغیر پورا مڑے ہوئے) جی
خالہ بی: میں نے پایوں کا کہہ دیا ہے ---- اور خمیری روٹی تمہیں پسند
ہے ---- عالم ---- وہ منشی جی کل تک ---- آجائیں گے۔ میرا۔
عالم: کون منشی جی؟ منشی جی!
خالہ بی: ہاں ---- وہ خط ---- تمہاری ---- جیب ----
عالم: (اطمینان کی سانس لے کر) وجن ---- تم ---- میں بھی سینما
چلوں گا۔
خالہ بی: ابھی تو سر میں درد تھا ---- اور ابھی سینما کی تیار ہونے لگی۔

عالم: اب نہیں رہا۔

واجد: کیا کرو گے جا کر اور بڑھ جائے گا۔ تم لیٹو۔ اور آج بورڈنگ نہ جاؤ یہیں سو رہو میرے کمرے میں میں کہہ دوں گا مانیٹر سے۔ اچھا۔

عالم: (جلدی سے) نہیں----- بالکل ٹھیک ہوں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں پکچر---- چلو۔

واجد: تم جانو----- خالہ بی تین روپے دے دیجئے۔

خالہ بی: (رکھائی سے) میرے پاس کہاں رکھے ہیں اس وقت تین روپے۔

واجد: (ارادہ ڈھیلا ظاہر کرنے کے لئے کوٹ اتارنے لگتا ہے) تو بس پھر ہٹاؤ سینما کو بھی۔

عالم: میرے پاس ہیں (ہیٹ اور شیروانی لے کر) چلو تو-----

(دونوں جاتے ہیں۔ عالم اپنے ہاتھ کی لرزش کو ہاتھ ہلا ہلا کر چھپاتا ہے۔ خالہ بی دونوں کو جاتا دیکھتی ہیں۔ بالکل بغیر ارادے کے وہ اپنے ہاتھ میں لکیروں کو گھورنے لگتی ہیں۔ ہلکی امید بھری مسکراہٹ آجاتی ہے)

چوتھا سین

(اپنے کمرے میں شمیم بہت پریشان اور حسب معمول بھری بیٹھی ہے۔ کسی نئی بات نے اسے حیرت زدہ بھی بنا دیا ہے. جی چاہتا ہے رو دے۔ مگر ضبط کرتی ہے)

شمیم: (خود بخود) مکار کہیں کا۔

(کتاب کھول کر ایک مسلا ہوا کاغذ نکالتی ہے اور پڑھ کر غصہ سے پھاڑنا چاہتی ہے۔ لیکن دو ٹکڑے کر کے آگے نہیں پھاڑتی۔ واپس رکھ دیتی ہے۔ پھر چند چھوٹے چھوٹے پرزوں کو جوڑ کر پڑھنا چاہتی ہے۔ آہٹ سنائی دیتی ہے۔ تو جلدی سے دری کا کونہ اٹھا کر چھپا دیتی ہے)

(واجد آتا ہے)

واجد: (آکر پیار سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر) شمو! بیٹے کیا حال چال ہے

بڑے موٹے ہوتے جا رہے ہو (بسورتی شکل دیکھ کر) رونا' رونا' مدام رونا اور بھی کچھ کام ہے تمہیں؟ اللہ کی بندی! (اسے روتا دیکھ کر) ارے یہ کیا ہوا کیا (گھبرا کر بیٹھ جاتا ہے) کیا ہوا آخر؟

شمیم: (رو کر) وجن! گھر چلو------ آپا کے پاس سنبھل- میں نہیں ٹھہر سکتی ایک گھڑی بھی یہاں-

واجد: کوئی بات بھی ہو- کیا خالہ بی نے ڈانٹا؟

شمیم: نہیں (خاموشی)

واجد: پھر-----؟ (پیار سے) بھئی یہ کوئی بات نہیں ہے- ہم تمہارے دوست ہیں---- صرف تیرہ دن تو کالج کھلنے میں رہ گئے ہیں----- اور اب کہتی ہو چلو- کیوں آخر؟

شمیم: (دری کا کونہ الٹ کر کاغذ کے پرزے نکال کر) لو-

واجد: (ٹھیک طرح سے بیٹھ کر کاغذ جوڑ جوڑ کر پڑھنا شروع کرتا ہے- الجھ کر) کیا پڑھوں- خالہ بی کا خط ہے- کیا تمہیں کچھ لکھ کر ہدایات دی ہیں؟

شمیم: جی نہیں' ذرا پڑھئے تو' پھر کہئے گا-

واجد: (غور سے دیکھ کر) کیا---- ہاں' عالم----- اور یہ کیا ہے؟ بابا ایک تو خالہ بی کا خط- دوسرے پھٹا ہوا (پھر کوشش کرتا ہے) "ٹھوکر---- نہیں-" ٹھکرانا مت" (چکرا کر) یہ کیا گڑبڑ ہے- ہیں "امیدیں"----- "واسطہ" نہیں "وابستہ" "مایوسی" "مایوس نہ کرنا" (کچھ دیر خاموشی سے پڑھتا ہے-) ہوں- زبان- زبانی کہنے کا موقع نہ ملا-"

شمیم: اور یہ-----(دوسرا ٹکڑا دیتی ہے)

واجد: (پڑھ کر رنگ سیاہ پڑ جاتا ہے- کانوں میں خون کی تیزی سے جھنجھناہٹ ہونے لگتی ہے- ڈری ہوئی نظروں سے شمیم کو دیکھتا ہے) مگر----- تعجب!----- مگر یہ ہے کیا معاملہ؟---- عالم---- صرف ایک سال بڑا ہے مجھ سے- کہاں ملا یہ تمہیں؟

شمیم: میرے- میرے کمرے میں----- شاید عالم کی جیب سے گر پڑا-

واجد: (حیرت سے) پاگل! خالہ بی یقیناً----- اور----- مجھے یقین نہیں آتا---- عالم---- (تھوڑی دیر دونوں خاموش رہتے ہیں' پھر واجد کے چہرے پر بجائے پریشانی کے غصے اور نفرت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں----- (وہ اپنے ہونٹ چبانے لگتا ہے) "کمینہ---- مجھے وہم بھی نہ ہوا تھا۔ شمو' ہم ابھی چلے جائیں گے۔ بلکہ میں ابھی جا کر فون کرتا ہوں حیدر صاحب کو کہ فوراً کار بھیج دیں اپنی----- اچھا!"

شمیم: اور کالج----؟

واجد: کالج پندرہ کو کھلے گا۔ پھر ہم آ جائیں گے اور تم بھی بورڈنگ چلی جانا۔ میں یوسف کے ساتھ رہ لوں گا۔ اچھا (خود بخود) مکار' دوست بنتا ہے اور...... تمہیں کوئی رنج نہیں' کوئی پروا نہیں----- کیوں----؟

شمیم: (رنجیدہ سر جھکائے غرور سے) نہیں۔

واجد: تو پھر چلو' تیار ہو جاؤ۔

شمیم: اور خالہ بی' ان سے تو کہہ دو۔

: (غرور سے) ہمیں خالہ بی سے واسطہ؟ ہمیں کوئی ضرورت نہیں ان سے کہنے کی۔ ٹھیک کر لو تم اپنے تھوڑے سے کپڑے----- میں جا رہا ہوں۔ پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے (جاتا ہے)

(شمیم تھوڑی دیر خاموش بیٹھی رہتی ہے۔ پھر اٹھ کر الماری میں سے کپڑے نکال کر ایک اٹیچی میں رکھتی ہے۔ دو ایک چیزیں اور کتابیں میز سے اٹھا کر ڈال لیتی ہے ایک فریم جس میں عالم اور واجد کی تصویر ہے اٹھا کر رکھنا چاہتی ہے۔ پھر کچھ سوچ کر عالم کی تصویر نکال دیتی ہے اور واجد کی رکھ لیتی ہے۔ پھر کچھ سوچ کر عالم کی تصویر دیکھتی ہے۔ ہچکچاتی ہے۔ مگر پھر بے پروائی سے سب کپڑوں کے نیچے اسے بھی ڈال لیتی ہے۔ پیروں کی چاپ سنائی دیتی ہے اور عالم کی آواز دور ہی سے آتی ہے)

عالم: وجن----- وجا----- ن----- کہاں ہو؟ (آتا ہے' شمیم بے تعلقی سے کپڑے رکھتی ہے) ارے' شمو دوست-----! وہ کہاں

ہے؟------ وجن! (اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتا ہے)

شمیم: (اس کا ہاتھ کندھے پر سے ہٹا کر) مجھے نہیں معلوم۔

عالم: (اس کی ترشروئی سے متاثر ہو کر) ار----- اور مجھے کہا تھا کہ آج سینما چلیں گے۔ وجن بھی کیا بے وقوف انسان ہے (شمیم کا چہرہ دیکھ کر) ارے بھئی شاباش ہے۔ نہ جانے اتنا غصہ کر کے لڑکی جیتی کیسے ہے۔ میں تو دو دن میں مر جاؤں---- آہا---- ذرا آپ کا منہ ملا حظہ ہو---- وا------ ہ------ واہ (منہ اونچا کرتا ہے اس کا)

شمیم: (اس کا ہاتھ جھٹک کر) اونہہ! (اور میز پر سے سامان لینے چلی جاتی ہے)

عالم: کب تک آئے گا واجد؟ بھلا یہ بھی کوئی انداز ہے-----؟ (کچھ یاد کر کے) ارے ہاں سنو تو شمو----- یہ ذرا--- ادھر دیکھو--- (چہرہ پر مسرت ناچ رہی ہے۔ کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ شمو ایک نظر دیکھ کر نظر پھیر لیتی ہے۔ ایے دیکھو----- بولو----- کیا ظاہر ہو رہا ہے کچھ شان ہمارے چہرے پر-----!

شمیم: (لٹتے ہوئے لہجہ میں) جی ہاں معلوم ہے۔ آج آپ کا چہرہ بڑا شان دار ہو رہا ہے------

عالم: (اس کے بولنے ہی سے خوش ہو کر) رعب پڑ رہا ہے کچھ۔

شمیم: (طنز سے ہنس کر) آپ کا ہی رعب ہمارے اوپر نہ پڑے گا تو پھر کس کا پڑے گا! بھلا آپ......

عالم: (ہنس کر) اچھا تو تمہیں معلوم ہو گیا؟ وہ-----

شمیم: (اس کی دیدہ دلیری سے مجروح ہو کر) جی ہاں معلوم ہو گیا۔ بس! اور کچھ کہنا ہے ابھی آپ کو؟

عالم: (حیران ہو کر) عجب دیوانی لڑکی ہے۔ ارے بھئی انسان کسی وقت تو سیدھے منہ بات کر لیا کرے کہ بس ہر وقت نخرے؟ میں کہتا ہوں میں تو وہ---- خط----

شمیم: (بات کاٹ کر) جی ہاں---- وہ خط----- (اٹھ کر جلدی سے

کچھ الماری میں سے نکالنے لگتی ہے)

عالم: ارے تو بھونکتی کیوں ہو؟------- تم کیوں جل گئیں- جیسے تمہارا میں نے کچھ لے لیا ہو- دوسروں کی ترقی سے اس قدر نہ جلا کرو- اپنی اپنی قسمت ہے- کہتی تو ہو گی نکھٹوؤں کے ایسے ہی بھاگ ہوتے ہیں- چھپر پھاڑ کے- خدا کی قسم! انتخاب ہی تو ہے----- لڑ گئی تقدیر (اس کی شعلہ افشاں آنکھوں سے بچ کر) اونہہ نہ جانے اچھی خاصی لڑکی ایک دم سے چڑیلوں کا روپ کیسے دھار لیتی ہے-----؟ مگر تم نے کیسے دیکھا؟---- شاید یوسف نے واجد کو بتایا ہو----- خط تو میری جیب میں ہی پڑا ہے (ٹٹول کر) شاید بھول آیا- کچھ ایسا بلبلایا کہ سیدھا بھاگا کہ تم لوگوں کو بتادوں- چھوڑو ان باتوں کو- یہ تو بتاؤ آج پکا کیا ہے؟

شمیم: (جن کے آنسو باوجود ضبط کے نہیں رکتے- غصہ سے کانپ جاتی ہے) نکل جاؤ---- نکل جاؤ میری کمرے سے بڑے بڑے آئے- دوست بنتے ہیں----- جاؤ----- خدارا چلے جاؤ----

عالم: (اس کو واقعی غصے دیکھ کر) شمو!

شمیم: ابھی کچھ اور کہنا ہے------ جاؤ یہاں سے خدا کے لئے-

(واجد داخل ہوتا ہے)

عالم: (اسے دیکھ کر زور سے قہقہہ لگا کر) یار وجن پاگل ہوئی ہے یہ--- آج --- ارے دیکھتے ہو اس بلی کو خدا کی قسم!

واجد: (اپنے پیارے دوست کی جعل سازی سے منہ اترا ہوا ہے- نفرت سے) شمو! تیار ہو تم----!

عالم: یہ---- کیا کہیں جا رہے ہو تم لوگ؟---- آخر---- بتاؤ بھی تو کچھ-

واجد: (کچھ نہ سن کر شمیم سے) وہ------ وہ کار آتی ہی ہوگی-

عالم: واجد! کچھ کہو گے بھی یا تم-----!

واجد: (غصہ کو ضبط کر کے) میں کچھ نہیں کہنا چاہتا----- بس تھوڑا سا سامان لے لو شمیم!

عالم: لیکن واجد تمہیں یہ ہو کیا گیا ہے- کچھ---!
واجد: مجھے؟--- جی مجھے سودا ہو گیا ہے (شمیم سے) وہ سوٹ کیس، بس اور--
عالم: (اس کے غصہ سے بوکھلا کر) مگر--- میں وہ--- خط لایا تھا کہ---- وہ--- یہ کہنا تھا کہ-------
واجد: کیا ابھی تمہیں کچھ اور کہنا ہے- ہاں وہ خط--- پھر؟
عالم: (مردہ ہو کر) مگر تم--- تم، اتنے غصے ہونے کی وجہ؟ ایسے گویا----
واجد: (چوٹ سے تلملا کر) بے شک ہم کیوں غصہ ہوں- ہمیں کیا حق؟، ہم ہوتے کون ہیں؟ اور (رنجیدہ قہقہہ لگاتا ہے) واقعی! (ایک دم سنجیدہ ہو کر) ہمیں کیوں؟---- (بے تکے پن سے ہنستا ہے) کیا وجہ؟ آہا----
عالم: (جس کی سمجھ میں نہیں آتا کیا کرے) مگر----- یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ تم نے کب دیکھا--- تم----
واجد: ہاں- ہم نے دیکھا--- اور وہ خوشخبری بھی مل گئی ہمیں اور اسی وجہ سے ہم لوگ اس وقت اس قدر مسرور نظر آرہے ہیں (طعن سے) اور ہاں آپ کو مبارکباد تو دینا بھول ہی گئے-
عالم: (اپنے روٹھنے کی باری سمجھ کر) مجھے نہیں چاہیے تمہاری مبارکباد لے کے پہلے تو---
واجد: بے شک- بے شک (کار کی آواز سن کر) اٹھو شمو!
عالم: مگر-
(واجد اٹیچی اٹھا کر شمیم کی کمر میں پیار سے ہاتھ ڈال کر اسے لے جاتا ہے) عالم عجب پریشانی کے عالم میں ڈھیلا ڈھالا کھڑا رہ جاتا ہے گویا کسی نے اسے کچل دیا ہو- پیشانی پر ہاتھ پھیرتا ہے- گویا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ خواب ہے یا بیداری- کار کی آواز پر گھبرا کر چونکتا ہے مگر دور اس کا ہارن سن کر بے سدھ ہو کر کرسی پر گر جاتا ہے- سر پر دونوں ہاتھ رکھ کر سوچتا ہے کہ اتنے میں اسے پھٹے ہوئے پرزے نظر آتے ہیں-

پہلے بے پروائی سے پھر آنکھیں جھپکا کر غور سے دیکھتا ہے۔ انہیں جوڑ کر پڑھتا ہے تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں)

عالم : ارے--- او----- رے------- یہ--------- مگر--------

(پھر دیکھتا ہے سب حقیقت سمجھ جاتا ہے۔ جلد جلد جیبیں ٹٹول کر ایک خط نکالتا ہے۔ تھوڑی دیر خوفناک نظروں سے خلا میں گھورتا ہے۔ پھر مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ دروازہ کھلتا ہے اور خالہ بی خراماں خوش رنگ لباس میں داخل ہوتی ہیں)

خالہ بی : (بالکل بدلی ہوئی آواز میں کہ چوبیس برس کی خالہ بی معلوم ہوتی ہیں) تم سیدھے ادھر چلے آئے میں------

(عالم جیسے مسحور ہے، دو قدم پیچھے ہٹ جاتا ہے)

خالہ بی : (اس کی پریشانی سے گھبرا کر) میں نے منشی جی کو بلا لیا ہے وہ کل آجائیں گے اور سب طے ہو جائے گا۔ بہتر ہے کہ ہبہ ہو۔

عالم : (بے وقوفوں کی طرح) ہبہ؟------

خالہ بی: ہاں اور بینک میں شاید پینسٹھ ہزار رہ گیا ہے---- باقی کے حصے خرید لئے تھے کاغذات سب میرے صندوقچے میں ہیں (نیچی نظر کئے ہوئے) اور مکانات

عالم : (بدحواسی سے) اوں۔ خط (پھٹے ہوئے خط کو ٹٹول کر) یہ---- یہ یہ----- (خود اپنے ہاتھ کا خط دیکھ کر) یہ---- اور میں----- یہ-----

خالہ بی: (بڑے پیار سے) ہا---- ہاں یہ کیسا خط ہے؟

عالم : (جو اب بھی کھویا ہوا ہے) یہ خط--- میرا ہے----- تقرر ہو گیا میرا---- اور (گھبرا کر اجڑے ہوئے کمرے کو دیکھ کر) اور----

خالہ بی: (خوشی سے) کہاں ہوا تقرر---- دہلی ہی میں---- یا کانپور؟

عالم : (کچھ نہ سن کر جیسے کسی غائب ہستی سے) وہ----- میں خود ہو جاتا---- پاگل----- واجد (سانس بھر کر) شمو!

خالہ بی: (اس کے قریب آکر) عالم!
عالم: (ان کی عجیب آواز سے چونک کر) خالہ بی!
خالہ بی: (ناامید نہ ہونے کی کوشش کر کے) عالم! میں تمہاری خوشی------"
عالم: (جلدی سے) خالہ بی!
خالہ بی: (کانپتی ہوئی آواز میں) عالم---- تمہیں تم----
عالم: (بات کاٹ کر جلدی سے) خالہ بی---- خالہ بی-
خالہ بی: (پژمردہ ہو کر گردن جھک جاتی ہے) عا---- آلم---

(عالم بغیر کچھ کہے سنے جلد جلد خط جیب میں رکھتے ہوئے تیزی سے نکل جاتا ہے- خالہ بی کچھ دیر حیرت سے اسے جاتا دیکھتی ہیں- اس کے جاتے ہوئے پیروں کی آواز کو ایک نغمے کی طرح کان لگا کر سنتی ہیں- ذرا دیر میں ان کی نظر اس کی ٹوپی پر پڑتی ہے جو وہ گھبراہٹ میں بھول گیا عجیب انداز میں بڑھ کر اسے اٹھا لیتی ہیں- ایک متبرک اور نازک مجسمے کی طرح اسے دیکھتی ہیں- ان کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں پھیکی ہو کر بند ہونا شروع ہوتی ہیں اور بڑے بڑے بے رونق آنسو رخساروں پر ڈھلک آتے ہیں- گردن ذرا پیچھے گر جاتی ہے اور وہ ٹوپی کو آہستہ سے سہلاتی ہیں- جیسے دل شکستہ ماں اپنے بے جان بچے کو ٹٹولتی ہے- وہ قدموں کی چاپ بھی نہیں سنتیں- دروازے میں عالم نظر آتا ہے وہ شاید ٹوپی لینے آیا تھا جسے بھول گیا تھا تھوڑی دیر غیر فیصلہ کن انداز میں کھویا ہوا سا کھڑا رہتا ہے---- اور---- پھر)

(سٹیج ٹوٹ جاتی ہے)

ڈھیٹ

وہ: عورت خواہ کتنا ہی بلند مرتبہ پالے، بڑے سے بڑا کام انجام دے لیکن پھر وہ عورت ہے، ایک کمزور ہستی۔

میں: تھوڑی دیر کیلئے مانو کہ میں یقین نہیں کرتی، تب؟

وہ: تمہارے ماننے اور نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ دنیا کہتی ہے، بڑے بڑے علمائے دین اور فلسفیوں کے قول دیکھ لو۔

میں: میں تب بھی نہ مانوں تو؟

وہ: تو یہ تمہاری زبردستی ہے۔

میں: تمہیں کامل یقین ہے کہ یہ میری زبردستی ہے؟

وہ: اور نہیں تو کیا۔

میں: تو تم مان گئے کہ میں زبردست ہوں۔ اب تو یقین ہوا کہ ہماری کمزوری کی ساری افواہیں غلط ہیں۔

وہ: واہ۔

میں: کہہ دو کہ "کٹ حجتی" کرتی ہو۔

وہ: خواہ مخواہ لڑتی ہو۔ یہ تو تمہاری ہمیشہ سے عادت رہی ہے۔ ہٹاؤ ان جھگڑوں کو مگر تمہیں تو ہمیشہ سے لڑائی دنگا اچھا لگتا ہے یاد ہے ۔ آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہو گئی) بچپن کا بھولا بھالا زمانہ کتنا دلفریب وقت تھا۔ کاش پھر وہی ہنسی خوشی اور بے فکری کے دن لوٹ آئیں۔ یاد ہے تمہیں جب ہم تم املی کے درخت کے نیچے گھروندے بنا بنا کر کھیلا کرتے تھے۔

میں: اور تم سے لڑ کر میں گھر نوچ کھسوٹ کر چل دیتی تھی۔ ایں!

وہ: (ہنس کر) ہاں مگر ایک دن تو تم بری طرح لپٹ گئیں اور میرا منہ کھسوٹ

ڈالا (اور ہنس کر) اور الٹی میری ہی شکایت کر دی۔

میں: تمہارا کرتہ بھی تو نوچ ڈالا تھا۔ پھر الٹی تم نے ہی خوشامد کی۔

وہ: (اور بھی زیادہ ہنستے ہوئے) ہاں ہاں اور پھر یاد ہے وہ جو ہم نے تم نے آپا کا صابن چرا کر کتے کے پلوں کو نہلایا تھا۔ جس پر آپا نے خوب کان اینٹھے تھے۔

میں: اور وہ بھی ہم تم بیروں پر لڑے تھے۔

وہ: (ہنسی سے بیتاب ہو کر) اوہ.... ہاں اور جب مکھن روٹی بچھونے میں چھپا کر کھایا تھا۔

میں: تب ابا جان نے صبح کا ناشتہ کاٹ دیا تھا۔

وہ: ہاں' ہاں۔

میں: تو تمہیں یہ سب باتیں یاد کر کے.... شرمندگی سی ہوتی ہے۔

وہ: ایں.... کیا.... نہیں تو یہ بچپن کی سہانی شرارتیں تھیں جن کی یاد....

میں: بھلا ان شرارتوں میں سہانے پن کی کیا بات تھی۔

وہ: واہ کیا تمہیں بچپن نہیں یاد آتا۔

میں: آتا کیوں نہیں۔

وہ: پھر!

میں: پھر یہی کہ افسوس ہوتا ہے' برا لگتا ہے کہ ایسے بے وقوف کیوں تھے۔ بھلا اس میں سہانا پن کیا ہو سکتا ہے۔ املی کے پیڑ کے نیچے گھروندے بنانا.... نوچ کھسوٹ.... بیروں پر مار کٹائی۔ چپکے چپکے بستر میں چھپ کر مکھن کھانا اور پھر پٹنا جو کہ بچپن کی سب سے غیر سہانی شے ہے۔ سب بیہودگیاں تھیں اور شکر ہے کہ وہ نالائق زمانہ گزر گیا اور کبھی نہ آئے گا۔

وہ: واہ! بچپن کی ہر بات بھولی ہوتی ہے۔

میں: بھولپن کون سا کمال ہے۔ ہر پاگل اور بے وقوف آدمی ساری عمر بھولا رہتا ہے۔ تمہاری نظروں میں وہ بہت ہی خوش نصیب ہے پھر بن جاؤ نا بھولے۔

وہ: تم تو کج بحثی کرنے لگتی ہو۔ بچپن میں اور پاگل پن میں بہت فرق ہے۔

ہم تم بڑی سمجھ کے کھیل کھیلا کرتے تھے۔ میں ڈپٹی صاحب بنتا اور تم بیگم صاحبہ بنتی تھیں۔

میں: تم نے تو مجھے اور بھی بچپن سے نفرت دلا دی۔

وہ: کیوں؟

میں: میں نے تم سے کتنی دفعہ کہا ہے کہ بھائی اس پاجی لفظ "کیوں" کو اس طرح میرے سر پر نہ پٹخ دیا کرو۔

وہ: یعنی؟

میں: لو، یہ تم نے اس سے بھی مہمل اور بیہودہ لفظ نکالا، اونہہ!

وہ: تم تو عجیب باتیں کرتی ہو۔ یہ ہماری ذہانت کا ثبوت نہ تھا کہ ہم تم بزرگوں کے طے کئے ہوئے رشتے کو کس بھول پن اور عقل مندی سے ذہن نشین کر چکے تھے۔

میں: قطعی بھول پن لیکن عقل مندی سے نہیں۔

وہ: ہیں! یعنی میرا مطلب ہے کہ کیوں نہیں؟

میں: مطلب یہ کہ ہم تم جب بھولے تھے تب تک تو ٹھیک تھا لیکن تم تو ویسے ہی بھولے اور سہانے ہو۔ مگر میں بڑی ہو گئی۔ کچھ بیٹھی نہیں بات!

وہ: کیا اس سے تمہارا مطلب ہے کہ جو رشتہ ہمارے تمہارے درمیان بچپن سے قائم ہے تکمیل کو نہیں پہنچنا چاہئے؟

میں: یعنی؟

وہ: یعنی کیا؟

میں: یہ لیجئے۔ آپ تو جب چاہیں "یعنی" "کیوں" کہہ کر مجھ سے لمبے چوڑے جواب وصول کر لیں اور میں کہوں تو چکرائیں۔

وہ: تم تو.....

میں: "کٹ حجتی کرتی ہو" یہی کہنے والے تھے نا تم؟

وہ: مجھے آج تک شبہ بھی نہ ہوا تھا کہ تم اس رشتہ کو ناپسند کرتی ہو۔

میں: اور شبہ ہونے کی وجہ بھی کیا۔

وہ: تم ہی تو کہہ رہی تھیں کہ.....

میں: کیا کیا؟

وہ: نہ معلوم کیا کہتی تھیں۔

میں: اللہ رے بھولپن! تمہارے ہی دل میں کوئی ایسا ویسا خیال آیا ہو گا۔ میرے سر تھوپ رہے ہو۔ واضح رہے کہ ہم بھی تھوڑی سی عقل رکھتے ہیں۔

وہ: بے وقوف تو میں ہی تھا جو اس دھوکے میں تھا۔

میں: یعنی یہ جو ہماری منگنی تھی یہ "دھوکا" تھا۔ تم بزرگوں تک پہنچ رہے ہو۔ پتہ ہے یہ دھوکا دادا ابا کا قائم کیا ہوا ہے۔ میں تو تمہیں ایسا نہ سمجھتی تھی۔ ٹھیکرے کی مانگ بڑی پکی ہوتی ہے جناب۔

وہ: (کھسیا کر) تم مجھے ہر وقت بے وقوف سمجھتی ہو۔

میں: توبہ توبہ، لیکن اگر سمجھوں بھی تو کیا ہوا۔ منگنی شادی میں عقل مند بے وقوف کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ یہ تو ایک روحانی رشتہ ہے جس کا فیصلہ خدا نے پہلے ہی آسمان پر کر دیا ہے۔

وہ: یعنی یہ کہ بیوی میاں کو الو سمجھتی رہے؟

میں: اس میں مضائقہ ہی کیا ہے؟

وہ: بھلا ایسے گھر میں نباہ کیسے ہو گا؟

میں: نباہ! نباہ ایسے ہو گا کہ تم کما کر لانا میں سلیقے سے خرچ کروں گی۔ تم ڈپٹی صاحب ہو گے اور میں بیگم صاحبہ، مزے سے رہیں گے۔

وہ: معاف کرنا، تم ذرا بے شرمی پر اتر آئی ہو آج۔

میں: اس میں بے شرمی کیا ہے۔ تم ہی تو اس روز کہہ رہے تھے کہ ہماری زندگی بڑے مزے سے گزرے گی۔ تم مندر کی دیوی ہو گی اور میں پجاری۔ یہ ہو گا، وہ ہو گا۔ جو آج میں نے کہا تو برا مان گئے۔ آج کچھ دل میں ٹھان کر ہی آئے ہے۔

وہ: اگر میں کچھ کہوں تو اور بات ہے' میں مرد ہوں۔

میں: مجھے اس بات کا یقین ہے۔

وہ: تم بدتمیز بھی ہو۔ آج تک میں کتنے دھوکے میں تھا۔ شکر ہے کہ جلدی آنکھیں کھل گئیں۔

میں: یعنی؟

وہ: یعنی۔ اب تم کتنی دفعہ "یعنی" کہہ چکی ہو۔

میں: کبھی ناؤ ندی پر اور کبھی ندی ناؤ پر۔ آگے کہو کیا آنکھیں کھل گئیں؟

وہ: یہی کہ ہماری تمہاری نہیں بن سکتی۔

میں: کیوں نہیں بن سکتی۔ کہیں تمہارا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ منگنی ہی ختم۔

وہ: یقیناً۔

میں: تم ٹھیکرے کی منگنی توڑ دو گے؟

وہ: بے شک۔

میں: مگر میں تو یہ نہیں چاہتی۔ میں تو تم سے ہی شادی کرنا چاہتی ہوں۔

وہ: مگر میں تو قطعی نہیں چاہتا۔

میں: تم تو دیوانے ہو' آخر وجہ کیا؟

وہ: فرض کرو مجھے تم پسند نہیں۔

میں: پھر اور کون بدنصیب پسند آئی؟

وہ: کوئی ہو یا نہ ہو مجھے تم پسند نہیں آ سکتیں (حد سے زیادہ چڑ کر)

میں: مگر مجھے تو تم پسند ہو۔

وہ: لاحول ولا قوۃ کیا بے حیائی ہے۔ کوئی مرد ایک لڑکی کو یوں ٹھکرائے اور وہ ذرا بھی خودداری نہ رکھتے ہوئے مصر ہو۔

میں: اور تم جو اس دن کہتے تھے کہ اگر تم مجھ سے خدانخواستہ شادی نہ کرو تو میں دیوانہ ہو جاؤں۔

وہ: میں مرد ہوں۔
میں: دیکھو ایک دفعہ کہہ چکی کہ مجھے پختہ یقین ہے کہ تم مرد ہو۔ اب جو کچھ کہوں گی تو جل جاؤ گے۔
وہ: مرد چاہے جو کچھ کریں۔ مگر عورت اگر اظہار محبت یوں دیدہ دلیری سے کرے تو اسے معیوب سمجھتے ہیں۔ کجا....
میں: قطع کلام ہوتا ہے۔ پھر کیسے اظہار کریں؟ اب اظہار کا بھی نیا طریقہ ایجاد کریں۔ اگر تمہیں میرے عشق میں دیوانہ ہونے کا پورا پورا حق حاصل ہے تو کسی کی مجال نہیں کہ مجھے تمہارے لئے اپنا گلا گھونٹنے سے روکے۔ میں جس طرح چاہوں اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ کوئی ہوتا کون ہے' واہ!
وہ: مرد کے عیب بھی چھپ جاتے ہیں۔ وہ جو کچھ چاہے کرے' لیکن عورت....
میں: چت بھی میری پٹ بھی میری۔ میں پوچھتی ہوں کون کہتا ہے کہ عورت بری بات کرے تو زیادہ گنہگار ہو گی۔
وہ: گنہگار کا ذکر نہیں ہے' عورتوں کے لئے عام طور پر یہ بات بہت معیوب سمجھی جاتی ہے کہ وہ مرد کے انکار پر بھی اپنے منہ سے درخواست کریں۔ لوگ سنتے ہیں تو تھُو تھُو کرتے ہیں۔
میں: تم ہی تو اس دن کہتے تھے کہ "لوگوں کو بکنے دو" دوسرے اب تم لوگوں میں جا کر تھوڑا ہی پھونک دو گے۔ کسی کو کیا معلوم کہ میں نے تم سے کیا کہا۔
وہ: اوہ تمہاری بحث کبھی ختم نہ ہو گی۔ مجھے خوشی ہے کہ ہم اور تم دوزخ جیسی زندگی سے بچ گئے۔
میں: کیسی دوزخ اور کیسی جنت؟ تم مر بھی جاؤ تو ابا جان منگنی توڑنے نہ دیں گے۔ دوسرے جائداد تمہیں کوڑی کی بھی نہ ملے گی۔
وہ: مجھے جائداد کی ہوس نہیں۔
میں: اور یہ ڈپٹی کلکٹری ابا جان تمہیں خاک دلوائیں گے۔

وہ: چولہے میں ڈالو ڈپٹی کلکٹری کو۔

میں: لیکن تمہیں میرا بھی خیال نہیں۔ پرسوں ہی تم نے کہا تھا کہ مجھ خاکسار کے بت کی بچپن سے پرستش کرتے ہو اور دل و دماغ پر خاکسار ہی چھائی ہوئی ہے اور وہ کیا شعر تھا معاف کرنا.... وہ.... "کیا دل کی کلی" جنے کیا ہوا اور "صنم" اور گریباں چاک" اور "در کے بھکاری" کا بھی کچھ تھا۔ بتانا ذرا پھر سے۔

وہ: لاحول ولا قوۃ۔ توبہ ہے، یہ آج تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ حد ہے بے شرمی کی!

میں: کیا کر رہی ہوں۔ وہی جو تم ہمیشہ کرتے ہو۔ آج جو میں کہتی ہوں تو جلے مرتے ہو۔

وہ: تم اس رشتے کو ناموزوں خیال کرتی ہو۔

میں: میں! ہوش کی لو۔ کھاؤ قسم کہ میں نے کبھی یہ کہا ہو کہ میں تمہیں شادی کیلئے ناموزوں سمجھتی ہوں۔

وہ: تم مجھے ناپسند نہیں کرتیں (پرانی روشنی آنکھوں میں عود کر آتی ہے)

میں: قطعی نہیں.... میں.... اب جو میں پرستش وغیرہ کا کچھ کہوں گی تو تم کہو گے بے شرمی۔ یہ وہ۔

وہ: تم مجھے بے وقوف کہتی ہو (آنکھوں کی روشنی معدوم ہو جاتی ہے۔

میں: کبھی نہیں۔ دراصل میرا مطلب بھولے سے ہوتا ہے۔ یوں ہی لاڈ میں کہتی ہوں۔

وہ: تم کیا کہہ رہی ہو آج میں چکرایا ہوں۔ ابھی کچھ دن ہوئے تم مجھ سے کھل کر بات بھی نہ کرتی تھیں۔ میرا نام لیتے ہوئے جھجکتی تھیں۔ شرما کر سر جھکا لیتی تھیں۔

میں: اونہہ! وہ تو میں بنا کرتی تھی۔ تمہیں وہ باتیں پسند تھیں۔ اچھا اب میں شرمایا کروں گی، بس!

وہ: اوہ، یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ یا خدا کیا یہ سچ ہے۔ میں کبھی بھی ایسی لڑکی

کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا جو مجھے پسند نہ کرتی ہو اور میرا مذاق اڑائے۔

میں: کیا کہا! کیا؟ میں تمہیں پسند نہیں کرتی۔ تم اظہار کو معیوب سمجھتے ہو اور بگڑ جاؤ گے۔ لیکن سچ مچ میں نے تو تمہیں کبھی ناپسند نہیں کیا۔

وہ: کیا تم ایسے شوہر کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہو جو تمہیں ناپسند کرتا ہو؟

میں: اول تو تم مجھے ناپسند ہی نہیں۔ دوسرے شادی بیاہ کے معاملہ میں ان غیر شاعرانہ باتوں کا کیا دخل۔ تم ہی لوگ تو کہتے ہو کہ ہندوستانی دوشیزہ برے سے برے شوہر کے ساتھ ہنسی خوشی نباہ کر سکتی ہے۔ وہ شوہر کو دیوتا سمجھتی ہے ایک دیوتا کیلئے ضروری نہیں کہ وہ عقل مند ہی ہو۔ ہندوستانی دوشیزہ تو ایک مرکھنے بیل کے ساتھ بھی سکھ سے رہ سکتی ہے' کہا تم۔

وہ: (غصہ سے مختلف رنگ بدل کر پھنپھناتے ہوئے) تمہاری باتیں تکلیف دہ اور ہتک آمیز ہیں مجھے سخت حیرت ہے۔

میں: تمہیں تو آج حیرت ہی ہوئے چلی جا رہی ہے۔

وہ: میں پاگل جو ٹھہرا۔

میں: میں نے عب کچھ مانا۔ لیکن ایک دیوتا کیلئے پاگل واگل کا سوال ہی نہیں کہا نا میں نے کہ وہ جیسا بھی ہو پھر مجازی خدا ہے۔ اگر سجدہ سوائے خدا کے جائز ہوتا تو وہ اسی دیوتا کے حضور میں پیش کیا جاتا۔ عورتیں وہی پارسا اور نیک ہیں جو برے شوہروں کو نباہ رہی ہیں۔ ہماری بخشش شوہر کی فرمانبرداری میں ہے۔

وہ: بس' بس۔ میں تمہاری باتیں نہیں سن سکتا۔

(پھن پٹختے تن تناتے ہوئے غائب)

کہتے ہیں اگر شادی کی باتیں لڑکیاں کرتی ہیں تو منہ پکا پکا ہو جاتا ہے۔ میں دوڑی ہوئی آئینے کے سامنے گئی۔ واقعی منہ پر ٹھیکرے ٹوٹ رہے تھے۔
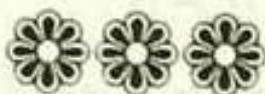
بنّے

زمانہ: موسم سرما 37ء صبح جس وقت کالج شروع ہوتے ہیں اور گھر کی مالکہ نوکروں سے سر مار کر چین سے سینے پرونے پر مشغول ہو جاتی ہے۔

افراد ڈرامہ

بنّے: ایک تندرست' خوش وضع' خود سر' خود رائے اور منہ پھٹ' پھوہڑ اور لڑاکا' بلا کا ذہین اور پڑھنے کا شوقین' بزرگوں کی باتوں میں پٹاپٹ بولنے والا مگر الہ بی کی نظروں میں "گھی کا لڈو"

زہرہ: دبلی پتلی ڈرپوک سی لڑکی۔ چڑ کر جلدی سے بسور دینے کی عادی اور الہ بی کے رعب کی قائل۔ بنّے سے ایک منٹ نہیں بنتی۔ الہ بی کے بتائے ہوئے فیشن کے مطابق سادگی پسند' سلیقہ مند' سگھڑ۔ بنّے کی خالہ زاد بہن۔

الہ بی: 35 سالہ کنواری خاتون۔ عمر سے زیادہ معمر بننے کا شوق۔ بھانجے اور بھانجی کی پرورش اپنا پیدائشی حق سمجھتی ہیں۔ زہرہ کو ہر وقت "دابتی" رہتی ہیں اور بنّے کو سر چڑھا رکھا ہے۔

ڈپٹی صاحب: "خوشحال" وضع کے 40 سالہ مرد۔ بہت تندرست۔ سر کے بال اڑے توند بڑھی ہوئی۔ سرخ رنگ۔ بڑی بڑی آنسو بھری آنکھیں۔ پھولی ہوئی مونچھیں ٹھگنا قد بیوی اور دو بچے موجود ہیں لیکن زہرہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔

انو: بڑی بڑی آنکھوں والا معصوم نوکر نما رشتہ دار۔ جو خوب پٹتا بھی ہے۔ سینما اور گلی ڈنڈے کا عاشق۔

بچے: مختلف ناپ اور تول کے سب پڑوسیوں کے۔

اسٹیج: ایک دروازہ پشت پر اور دو دائیں بائیں۔

لباس: معمولی۔ مگر نہ ایسے کہ اسٹیج سونی معلوم ہو۔

پہلا سین

(درمیانی درجہ کا ہندوستانی وضع پر آراستہ کمرہ۔ چاندنی اور قالین کے علاوہ دو تین آرام کرسیاں، ایک آدھ چوکی اور اسٹول، ایک دروازہ پشت پر، دو دونوں اطراف میں، بیچوں بیچ فرش پر الہ بی سینے پرونے کا سامان رکھے کچھ سینے میں مشغول ہیں۔ زہرہ داہنے دروازے سے ایک سویٹر بنتی ہوئی داخل ہوتی ہے۔ آکر کچھ بدمزگی سے آرام کرسی پر بیٹھ جاتی ہے۔ تھوڑی دیر خاموشی رہتی ہے)

زہرہ: الہ بی آپ اس کی ---- بنے کی حرکتیں دیکھتی ہیں اس نے تو میرا ناک میں دم کر دیا ہے۔ جب دیکھو جب کوئی نہ کوئی آفت مچائے رکھتا ہے۔ میرے کمرے میں جاتا ہے تو ساری چیزیں الٹ پلٹ کر دیتا ہے کہو بھئی میری چیزوں سے اسے کیا واسطہ۔ مگر نہیں وہ تو میرا ہی البم بیٹھ کر دیکھے گا۔ میری ہی کاپیوں میں سے ورق پھاڑ پھاڑ کر پرچے لکھے جائیں گے۔ میرے ہی صابن سے تھوتھنی دھوئی جائے گی۔ میری ہی صراحی سے پانی پئے گا۔

الہ بی: اوئی! ذرا تمہاری صراحی میں سے پانی پی لیتا ہے تو بس مر گئیں۔

زہرہ: (تنک کر) مر گئیں! اور جو میری کاپیوں کا ستیاناس لگائے تو؟ میری چپل میں اپنا پھاوڑے جیسا پیر ڈال ڈال کر توڑ ڈالے تو؟ میری کیاریوں میں جان کر پیر رکھ دے تو؟ اور میری دری پر مٹی بھرے جوتے رکھے تو؟ ایک بات ہو تو کہوں۔ الہ اماں تم تو اس کی ہی طرفداری کرتی ہو۔ تم سے کچھ کہنا تو الٹی ڈانٹ سننا ہے۔

الہ بی: بیٹی وہ ذرا لاپروا ہے۔ کیا ہوا وہ ذرا تجھے چھیڑتا ہے۔ تم ہو کہ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتیں۔ بات بات پر ناچی جاتی ہو۔

زہرہ: وہ لاپروا ہے تو میں کیا کروں۔ وہ "ذرا" چھیڑتا ہے کہ مجھے کھائے لیتا ہے میرا تو بات کرنا دوبھر ہے۔

الہ بی: تو بھی اسے ایسی باتیں سناتی ہے کہ بس توبہ ہی بھلی۔

زہرہ: اور پھوہڑ اتنا کہ بس سارے کمرے میں جوتے ٹوپیاں پھیلی پڑی رہتی ہیں۔ قمیض ہیں تو وہ چارپائی کے نیچے۔ اچکنیں ہیں تو وہ چارپائی کے نیچے۔ کتابیں ہیں تو فرش پر ماری بھٹکتی ہیں اور میز پر خدا جانے کہاں کا کباڑ لدا رہتا ہے۔ مجھ سے تو صاف نہیں ہوتا اس کا کمرہ۔

(قریب کے کمرے سے پیروں کی چاپ اور سیٹی کی آواز سنائی دیتی ہے زہرہ غور سے کان لگا کر سنتی ہے، چھن سے کسی برتن کے ٹوٹنے کی آواز آتی ہے۔ زہرہ چونک کر ہزاروں شکنیں چہرے پر ڈال لیتی ہے۔

دروازے میں بنے ایک ٹوٹے ہوئے گلدان کے ٹکڑے لئے ہوئے آتا ہے۔ چہرے پر مصنوعی خوف اور دبی ہوئی ہنسی کے جذبات آنکھیں چڑھا کر کندھوں کو جنبش دیتا ہے اور گلدان کے ٹکڑے آہستہ سے زہرہ کی کرسی کے پاس رکھ دیتا ہے اور ہاتھ پشت پر رکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ گویا کوئی بڑا اچھا کام کر کے لایا ہے اور وہ داد کا طالب ہے)

زہرہ: اب دیکھ لو الہ بی۔ اب بھی مجھ کو الزام دو گی۔ بنے! یہ میرا گلدان کیسے ٹوٹا؟

بنے: (قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے) عجب جاہلانہ سوال ہے۔ کیسے ٹوٹا۔ ہونہہ! ارے کیسے ٹوٹتا ہے۔ ارے میں ذرا ادھر ہٹا اور یہ آپ ہی آپ آن پڑا۔

زہرہ: آپ ہی آپ آن پڑا۔ اب گلدان کے بھی پیر ہو گئے۔ آخر تم میرے کمرے میں گئے ہی کیوں تھے؟

بنے: تمہارے کمرے میں یونہی گئے تھے ------ ذرا تمہارا قلم لینا تھا۔

زہرہ: میرا قلم! تمہیں میرا قلم لینے کا کیا حق!

بنے: (نہایت سکون سے کرسی پر پھیلتے ہوئے) حق وق تو ہم جانتے نہیں۔ ہمیں ضرورت ہو گی تو ہم تمہاری ہی چیزیں لیں گے۔ ہمارا قلم کھو جو گیا۔

زہرہ: تمہارا قلم کھو گیا تو کیا میں نے کھو دیا؟

بنے: پھر وہی کوڑھ مغزی۔ ارے تم نے کھویا یا میں نے کھویا یا کتے بلیوں نے کھویا قلم تو کھو گیا۔

زہرہ: یہ خوب زبردستی ہے۔
بنے: کیا کیا جائے مجبوری ہے۔
زہرہ: (بھنا کر) اب الہ بی چپکی بیٹھی ہو۔ ہاں کہہ دو کہ میرا ہی قصور ہے (رونی صورت بنا کر سویٹر بننے لگتی ہے)
الہ بی: نہیں مانے گا بنے۔ سچ تو ہے تو بہت دق کرتا ہے۔
بنے: ارے الہ بی آپ اسے نہیں جانتیں۔ یہ کیا کم مجھے دق کرتی ہے۔ گھنی ہے گھنی ورنہ یہ تو دھامن ہے۔ جس کے کاٹے کا منتر ہی نہیں۔
الہ بی: بس ذرا سی بات میں رو دیتی ہے۔
زہرہ: (واقعی رو کر) دیکھ لو۔ الہ بی تو مجھے ہی الزام دیں گی (سویٹر اور سلائیاں پٹخ دیتی ہے اور ساری کے آنچل سے آنکھیں ملنے لگی ہے بنے چپکے سے سویٹر میں سے سلائیاں گھسیٹنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ ادھیڑتا ہے)
بنے: (پیار سے) اے زہرہ دیکھو تو تم نے کیسا خراب بنا ہے سارا ادھڑا جارہا ہے۔
زہرہ: (سویٹر چھین کر) ہائے اللہ! ارے کمبخت یہ آخر سلائیاں کیوں نکال دیں۔ اتنی مشکل سے تو بنا اور۔۔۔۔
بنے: کیا آ۔ اتنی مشکل سے بنا لاؤ اس سے اچھا تو میں بن دوں۔ شمیم ایسا اچھی بنتی ہے۔ کہ تم تو مر کے بھی نہ بن سکو۔
زہرہ: بی الہ اماں میری تو زندگی اس گھر میں ہو چکی۔ یا تو بنے بنی ہے اور یا میں ہی رہوں
بنے: (منہ چڑا کر) بنے ہی رہیں یا میں۔ ارے ہمیں خود ہر وقت فکر رہتی ہے کہ کسی طرح تمہارا منہ کالا کریں۔ مگر کوئی آنکھ کا اندھا قبولے جب تو۔ ایسی پھوہڑ لڑاکو لڑکی سے کون بیاہ کرے گا۔ موئی ہاتھ بھر کی زبان (الہ بی کی آواز کی نقل کر کے) جس گھر میں جائے گی آگ لگا دے گی۔ ذرا ذرا سی بات پر تن تن تن تن۔
(زہرہ بڑبڑاتی جھلاتی، جلدی سے اٹھ کر چلی جاتی ہے اور دھڑ سے دروازہ بند کر لیتی ہے)

بنے: توڑ ڈالو بنو۔ اب دروازے کی چولیں بھی اتار ڈالو۔
الہ بی: (محبت کی خفگی سے) اے بنے کیوں اسے کھائے لیتا ہے۔

دوسرا سین

(بنے کا کمرہ، کاہلی اور پھوہڑ پنے کا بہترین نمونہ۔ کمرہ کیا ہے عجائب خانہ ہے۔ ایک پلنگ، دو تین کرسیاں، دو تین میزیں بے ترتیبی سے اڑی ہوئی ہیں پلنگ پر معلوم ہوتا ہے کتے لوٹ کر گئے ہیں۔ علاوہ الٹے سیدھے تکیوں کے اور بہت سی غیر ضروری چیزیں ازقسم ہتھوڑی، کیلیں، میلا موزہ، اچکن، کاغذ، چاء کی پیالی، گلاس، دیا سلائی حتی کہ پالش کی ڈبیہ اور دانتوں کا برش بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے ہیں۔ کتابیں میز پر اس طرح ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں کہ گویا ابھی ابھی ان میں جان تھی اور برسرپیکار تھیں بہت سی کاپیاں اور کتابیں آدھی کھلی پڑی ہیں۔ سارے فرش پر جوتوں اور چپلوں کا انبار پڑا ہے۔ ایک کونے میں انگیٹھی اور چائے بنانے کا سامان رکھا ہے۔ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ شب کے آخری حصہ میں چائے بنا کر پی گئی ہے کچھ جلے ہوئے کاغذ کمرے میں پریشان ہیں۔ آدھا جلا ہوا کاغذ انگیٹھی میں اب تک ٹھسا ہوا ہے۔ پاس ہی ایک مگ میں کانٹا چھری کھڑے ہیں زہرہ کمرے میں ذرا ہچکچاتی داخل ہوتی ہے۔ حقارت اور پریشانی کے جذبات چہرے سے ظاہر ہیں۔ سب چیزوں پر ایک پریشان نظر ڈالتی ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ کدھر سے کمرہ صاف کرنا شروع کردے کرسی پر لحاف اس طرح کھلا ہوا ہے جیسے کوئی سردی سے بچنے کے لئے اس کا گھونسلا سا بنا کر بیٹھا تھا اور ابھی اٹھ کر گیا ہے اسے اٹھاتی ہے مگر پھر کچھ نہ سمجھ کر رکھ دیتی ہے)

زہرہ: اونہہ (پریشانی اور تھکی ہوئی نظروں سے پلنگ کو دیکھتی ہے) بھلا کوئی کیسے صفائی کرے جب انسان کی روح ہی گندی ہو۔

(کتابوں کی میز پر سے دو ایک چیزیں اٹھاتی ہے۔ پھر رکھ دیتی ہے پلنگ پر سے بھاری چسٹر اٹھاتی ہے۔ اس میں لپٹی ہوئی چادر کھنچی چلی آتی ہے اور بہت سی

پنسلیں، ڈبیاں، دیا سلائیاں جھڑنے لگتی ہیں ایک چھپکلی پھدک کر دیوار پر جا بیٹھتی ہے۔ زہرہ ڈر کے ہل کے "ارے" کر کے پیچھے ہٹتی ہے بنے آتا ہے)

بنے: (چنگھاڑتا ہے) اچھا---- آ----- پکڑی گئیں نہ آج! ارے جبھی میں کہوں یہ میری چیزیں کون اڑا لے جاتا ہے۔ کل میری ساری شکر کوئی کھا گیا۔ میں سمجھا چوہے ہیں اور آج پتہ چلا کہ جناب ہیں----- دو ٹانگوں کی چوہیا۔

زہرہ: ہوش میں رہنا۔ ایک تو میں کمرہ صاف کرنے آئی اور----

بنے: یہ ایک دو تو مجھ سے نہ چلے گی او ننک۔ سیدھی طرح میری چیزیں لایئے۔

زہرہ: بھاڑ میں جائیں تمہاری چیزیں میں کیا جانوں۔

بنے: بھاڑ میں جاؤ تم خود۔ لو صاحب ایک تو چیزیں غائب۔ اوپر سے غرانا۔ مگر یہ تو بتاؤ جب میں نے تمہیں منع کر دیا ہے کہ خبردار میرے کمرے میں قدم نہ رکھنا ورنہ ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔ تو----

زہرہ: چپ بدتمیز، بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ آئے کہیں سے ٹانگیں توڑنے والے میں کیوں آتی۔ اللہ بی نے بھیجا کہ ذرا کمرہ صاف کر لو مہمان آرہے ہیں۔ کمرہ تمہارا ہبوڑوں سے بدتر۔ تمہاری چیزوں کی جیسے میں بڑی بھوکی ہوں نا۔ ہیں بھی بڑی بہت سی چیزیں۔

بنے: اب تمہاری بلا سے ہمارا کمرہ جیسا بھی ہے اور چیزوں کا کیا کہوں، لوگوں نے کمرہ صاف کرنے کے بہانے سے جھاڑو ہی پھیر دی۔

زہرہ: مجھے غرض پڑی ہے جو میں صاف کروں (جانے لگتی ہے)

بنے: چلیں کہاں--- جناب عالی پہلے میری چیزیں---- اور یہ کمرے کی جو ریڑ لگائی ہے وہ تو پہلے ٹھیک کیجئے۔ ورنہ----

زہرہ: ورنہ؟ ورنہ؟ تم کیا کر لو گے۔ بیہودہ کہیں کے۔

بنے: جانتی ہو میرا غصہ برا ہے۔

زہرہ: (ہنس کر) بڑا جناب کا غصہ۔ ہوش میں ذرا۔ بنے: اچھا اب دانت مت نکالو۔ جھاڑو سنبھالو اور کام شروع کرو چوہیا۔

زہرہ: بدتمیز (تھپڑ اٹھاتی ہے) بنے ڈر کر پیچھے ہٹتا ہے، میز پر سے گلاس لڑھک کر ٹوٹ جاتا ہے)

بنے: توڑ ڈالا نا!

زہرہ: میں نے توڑا ہے۔

بنے: نہیں۔ بیگم صاحبہ تم نے کاہے کو توڑا۔ آخر تم میرے کمرے میں آئی ہی کیوں۔

زہرہ: تو میں دام دے دوں گی۔ کتنے کا تھا۔

بنے: کتنے کا تھا بڑی دام دیں گی لے کے ایک تو سارے کمرے کو کھوند کر ڈال دیا اور اوپر سے ساری چیزیں توڑ ڈالیں۔

زہرہ: میں نے بگاڑا ہے تمہارا کمرہ!

بنے: اور نہیں تو کیا ایسا تھا؟ ایسا؟ (کمرے کی چیزوں کو اشارہ کر کے) ایسے سامان پھیلا تھا؟ بھلا کوئی آدمی ایسے کمرے میں رہ سکتا ہے۔

زہرہ: (ہنس کر) تم آدمی ہو کب۔ جانوروں سے بدتر ہو۔

بنے: اچھا کمرہ تو صاف کرو۔

زہرہ: نہیں کرتے۔

بنے: (بڑی نرمی سے) پھر مہمان جو آئیں گے تو الہ بی کیا کہیں گی۔

زہرہ: کہنے دو۔ میں کہہ دوں گی تم لڑتے ہو۔

بنے: اچھا۔ اب نہیں لڑیں گے۔ بس وہ پلنگ صاف کردو۔ باقی میں کرلوں گا۔

زہرہ: اور پھر چوریاں لگانا۔

بنے: نہیں۔ بس وہ پلنگ اور یہ میز اب کچھ نہیں کہیں گے۔

زہرہ: پلنگ میں نہیں چھوؤں گی اس میں چھپکلی ہے۔

بنے: کیا چھپکلی تمہیں نگل جائے گی۔ یہ تم سب چھپکلی سے کیوں ڈرتی ہو۔

زہرہ: (میز پر سے کتابیں اٹھاتے ہوئے) ہمیں گندی لگتی ہے۔

بنے: گندی لگتی ہے تم سے تو صاف ہی ہے۔ سب لڑکیوں کو گندی لگتی ہے۔

زہرہ: ہمیں ڈر بھی لگتا ہے۔
بنے: آئے ہائے رے ڈر۔ کچھ فیشن ہی ہے۔ ساری لڑکیاں چھپکلی سے ڈرنا فرض سمجھتی ہیں برجیس بھی ڈرتی ہیں سلطانہ کا بھی چھپکلی سے دم نکلتا ہے رضیہ بھی مری جاتی ہے۔
زہرہ: واہ واہ فیشن کیوں ہوتا۔ وہ ہوتی ہی گندی ہے۔
بنے: (ایک کالا کاغذ کا ٹکڑا زہرہ پر ڈال کر) لے۔
زہرہ: (ڈر کر پیچھے ہٹتی ہے) واہ کیا میں ڈرتی ہوں۔
(دونوں خاموشی سے کمرہ صاف کرتے ہیں۔ بنے صرف چیزیں الٹ پلٹ کرتا ہے۔ کبھی کتاب کھول کر پڑھنے لگتا ہے۔ کوڑا اس طرح جھاڑتا ہے کہ سب زہرہ پر پڑے۔ پھر مسکرا کر "ارے معاف کرنا" کہہ دیتا ہے۔ زہرہ کچھ نہیں سمجھتی۔ بوجھل بوجھل کوٹ اور لحاف تہہ کر رہی ہے)
بنے: یہ مہمان کون آرہے ہیں زہرہ؟
زہرہ: معلوم نہیں کوئی میرٹھ سے آرہا ہے۔
بنے: (تھوڑی دیر سوچتا ہے) کیا عورتیں بھی ہیں؟ (پھٹ پھٹ کر کے کتابیں زہرہ کی طرف جھاڑتا ہے)
زہرہ: اونہوں---- بھئی----- ہاں عورتیں بھی ہیں۔
بنے: ارے یہ کون لوگ آرہے ہیں۔
(زہرہ خاموش چٹکی سے گندے موزے اٹھا کر ٹوکری میں ڈالتی ہے)
بنے: کیا مرد بھی ہیں؟
زہرہ: ہاں بھئی۔ دماغ چاٹ گئے۔
بنے: (خاموش کچھ سوچتا ہے) اچھا---- آ---- آ----- اب سمجھے جناب کے برد کھوے کو آرہے ہیں۔ ارے جبھی دوڑ دوڑ کر کمرے صاف ہورہے ہیں۔
زہرہ: بھئی میں چلی جاؤں گی اگر تم نے بدتمیزی کی تو۔
بنے: بلا سے چلی جاؤ۔ کوئی میری سسرال سے آدمی تھوڑی آرہے ہیں جو اترا اترا کر

اپنا سگھڑاپا دکھاؤں۔
زہرہ: اونہہ۔ خاک پڑے مجھے کیا پڑی ہے جو------- (کتابیں پٹخ کر چل دیتی ہے)
بنے: ہوں۔ تو یہ کہو مہمان آرہے ہیں---- (تھوڑی دیر کمرے کے چاروں طرف نظر ڈالتا ہے) سچ کہتی ہے زہرہ ہبوڑے ہی ایسے کمرے میں رہتے ہیں۔ اچھا (جلدی جلدی صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دروازے میں سے چھوٹے بڑے آٹھ دس بچوں کا گروہ دکھائی دیتا ہے)
بچے: بنے بھیا۔ آ---ب---ہا-----

(بنے زور سے ہنستا ہے)

(بچے اندر آکر اس سے لپٹ کر گرانے کی کوشش کرتے ہیں سب کو تکیہ سے بے طرح دھنتا ہے۔ بچے خوش خوش ہنستے رہتے ہیں)

تیسرا سین

(زہرہ کا کمرہ۔ نہایت سلیقے سے صاف ستھرا۔ آراستہ۔ کمرے میں زمین کے فرش کے علاوہ میز کرسیاں وغیرہ سلیقے سے رکھی ہیں۔ ایک جھولے دار کرسی پر زہرہ آگے پیچھے جھول رہی ہے۔ اخبار کو بے توجہی سے چھوتی جاتی ہے دروازہ میں بنے لباس شب خوابی پر چھوٹا سے اونگا سا کوٹ پہنے بمع بچوں کی فوج کے جھانک رہا ہے۔ بنے ہونٹ پر انگلی رکھے خاموشی کا اشارہ کرکے آہستہ آہستہ جھانکتا ہے۔ بچے ہنسی روکنے کے لئے دونوں ہاتھوں سے ناک اور منہ بند کئے ہوئے ہیں۔ دو تین بچے کھوں کھوں ہنستے ہیں۔ زہرہ مڑکر دیکھتی ہے تو سب بھاگ جاتے ہیں صرف بنے چھت کو اس انداز سے دیکھنے لگتا ہے گویا خاص طور پر چھت دیکھنے کے لئے آیا ہے۔ زہرہ ایک دفعہ بڑے وقار سے چھت کی طرف دیکھتی ہے اور پھر اخبار پڑھنے لگتی ہے بچے واپس آجاتے ہیں۔ بنے ایک بچے کو آگے جانے کا اشارہ کرتا ہے دونوں ہاتھ ہلا کر انکار کرتا ہے بنے ہاتھ جھٹک کر اسے بزدل بتاتا ہے ایک پتلی سی

لمبی سی لڑکی اونچی اونچی فراک پہنے اپنی خدمات پیش کرتی ہے۔ بنے شاباشی دے کر آگے بھیجتا ہے۔ لڑکی ڈری ڈری دو قدم بڑھتی ہے پھر لوٹ جاتی ہے)

لڑکی: (چپکے سے) ماریں گی۔

بنے: (اشارہ سے) نہیں، ہم جو ہیں۔

لڑکی: (دلیری سے آگے آکر) پیٹو خاں کی دلہن سلام (تیزی سے بھاگ کر دوسرے بچوں سے ٹکرا جاتی ہے)

(زہرہ اپنی جگہ تلملا کر رہ جاتی ہے ذرا کرسی کو تیز جنبش ہوتی ہے۔ وقار قائم ہے۔ سب بچے اور بنے اندر داخل ہوتے ہیں اور ایسے بے تکی قطار میں کھڑے ہو کر)

سب بچے: پیٹو خان کی دلہن سلام!

زہرہ: نکل جاؤ میرے کمرے سے۔

(ذرا سی ہنسی آتی ہے جسے وہ دبانے کی کوشش کرتی ہے۔ سب بچے ایک گھیرا بنا کر اس کے چاروں طرف گھومتے ہیں۔ بچے چیں چیں کر کے چلاتے ہیں۔ صرف "پیٹو خاں------ اور------ دلہن" سنائی دیتا ہے)

زہرہ: (نہایت جمے ہوئے قدم سے آگے بڑھتی ہے۔ ساری بھیڑ چھٹ جاتی ہے۔ بنے ایک کونے میں بن کر سہم کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ زہرہ دیوار پر سے ریکٹ اتارتی ہے اور اسے ذرا مضبوطی سے تولتی ہے) ہوں۔ اب کسے کیا کہہ رہے تھے تم لوگ۔

(بنے بن کر اور کونے میں دبک جاتا ہے اور ڈری ہوئی نظروں سے بچوں کو اور کبھی زہرہ کو اور بلے کو دیکھتا ہے۔ بچوں کے منہ خشک)

زہرہ: زور سے بولو کیا کہہ رہے تھے۔

بچے: (منمنی سہمی ہوئی آواز میں) ہم تو------ ہم تو کچھ بھی نہیں------ رہے تھے------ بنے بھیا ہمیں لائے ہیں اور------

زہرہ: اور وور کچھ نہیں۔ یہ تم کیا کہہ رہے تھے (کھٹا کھٹ بلے بچوں کے سر اور

پیٹھ پر جماتی ہے سب خوشامد کرتے ہیں) نہیں اور کہو (اور بلے مارتی ہے)
بچے: (ایک کونے میں گھر جاتے ہیں) توبہ۔ اب کبھی نہیں۔
زہرہ: کہو سب کہو۔ بنے بھیا الو۔ گدھے۔ پاجی!
بچے: (ڈر کر کبھی بنے کو، کبھی بلے کو دیکھتے ہیں) بنے بھیا------- ام ------
ام------ ام------ آں------ وہ------
زہرہ: (پھر بلے نکاتی ہے) کہو،
بچے: پاجی۔
بنے: بیچاری کو پاجی کہہ رہے ہیں۔
زہرہ: (پھر بلے نکاتی ہے) کہو بنے بھیا------ الو------ گدھے------ پاجی۔
بچے: (ڈرتے ڈرتے) بنے بھیا------ الو------ گدھے------ ام------
پاجی!
زہرہ: چلو نکلو (بچے بھاگتے ہیں) نکلو بنے تم۔ بھی نکلو۔ ورنہ خدا کی قسم بڑے زور سے مار دوں گی۔
بنے: ارے باپ رے مگر سنو تو------
زہرہ: کچھ سنو ونو نہیں۔ بس چل دیجئے ورنہ لگا بلا۔
(بنے سکڑتا دبتا فوفو آواز منہ سے نکالتا باہر چلا جاتا ہے مگر دروازہ کے پاس کھڑا رہتا ہے۔ ایک سگریٹ نکال کر سلگاتا ہے۔ دبے پاؤں پیچھے سے آکر زہرہ کے منہ پر دھواں چھوڑتا ہے)
زہرہ: کھانستی ہے) اونہو۔ پھر۔ نکلو۔ بھئی بنے نکلو میرے کمرے سے اونہوں سارا کمرہ بدبو سے سڑ گیا۔
بنے: افوہ رے دماغ اور وہ جو (گال پھلا کر بڑی سی توند ہاتھ پھیلا کر اشارہ کرتا ہے) وہ جو دن بھر ای۔ آئی۔ آر کا انجن بنے رہتے ہیں (اسٹول کھینچ کر زہرہ کے پاس بیٹھ جاتا ہے) سچ کہتا ہوں زہرہ ایسا بدوضع انسان تیرے پلے پڑنے والا ہے کہ حد نہیں۔ یہ توند، سپاٹ چندیا یہ پھیلی پھیلی مونچھیں جیسے کسی نے بوتل دھونے کا برش دانتوں

پیٹھ پر جماتی ہے سب خوشامد کرتے ہیں) نہیں اور کہو (اور بلے مارتی ہے)

بچے: (ایک کونے میں گھر جاتے ہیں) توبہ۔ اب کبھی نہیں۔

زہرہ: کہو سب کہو۔ بنے بھیا الو۔ گدھے۔ پاجی!

بچے: (ڈر کر کبھی بنے کو، کبھی بلے کو دیکھتے ہیں) بنے بھیا۔۔۔۔۔۔۔ ام۔۔۔۔۔ ام۔۔۔۔۔ ام۔۔۔۔۔ آں۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔

زہرہ: (پھر بلے نکاتی ہے) کہو،

بچے: پاجی۔

بنے: بیچاری کو پاجی کہہ رہے ہیں۔

زہرہ: (پھر بلے نکاتی ہے) کہو بنے بھیا۔۔۔۔۔ الو۔۔۔۔۔ گدھے۔۔۔۔۔ پاجی۔

بچے: (ڈرتے ڈرتے) بنے بھیا۔۔۔۔۔ الو۔۔۔۔۔۔ گدھے۔۔۔۔۔ ام۔۔۔۔۔ پاجی!

زہرہ: چلو نکلو (بچے بھاگتے ہیں) نکلو بنے تم۔ بھی نکلو۔ ورنہ خدا کی قسم بڑے زور سے مار دوں گی۔

بنے: ارے باپ رے مگر سنو تو۔۔۔۔۔

زہرہ: کچھ سنو ونو نہیں۔ بس چل دیجئے ورنہ لگا بلا۔

(بنے سکڑتا دبتا فوفو آواز منہ سے نکالتا باہر چلا جاتا ہے مگر دروازہ کے پاس کھڑا رہتا ہے۔ ایک سگریٹ نکال کر سلگاتا ہے۔ دبے پاؤں پیچھے سے آکر زہرہ کے منہ پر دھواں چھوڑتا ہے)

زہرہ: کھانستی ہے) اونہو۔ پھر۔ نکلو۔ بھئی بنے نکلو میرے کمرے سے اونھوں سارا کمرہ بدبو سے سڑ گیا۔

بنے: افوہ رے دماغ اور وہ جو (گال پھلا کر بڑی سی توند ہاتھ پھیلا کر اشارہ کرتا ہے) وہ جو دن بھر ای۔ آئی۔ آر کا انجن بنے رہتے ہیں (اسٹول کھینچ کر زہرہ کے پاس بیٹھ جاتا ہے) سچ کہتا ہوں زہرہ ایسا بدوضع انسان تیرے پلے پڑنے والا ہے کہ حد نہیں۔ یہ توند، سپاٹ چندیا یہ پھیلی پھیلی مونچھیں جیسے کسی نے بوتل دھونے کا برش دانتوں

میں دبا لیا ہو۔ یہ کلا اور گردن تو بالکل ہاتھی کی سی ہے اور پیر یہ بڑے بڑے (کہنی تک لمبان بنا کر) بس یہ سمجھ لو کلو پہلوان بیٹھا ہوا ہے۔

(زہرہ بھویں سکیڑ کر ہنستی ہے)

بنے: سچ کہتا ہوں اور ایک بیوی دو بچوں کا پہلے ہی سے مالک ہے اچھا ہے بچے تو خوب ٹھونکنے کو ملیں گے۔ مگر روپیہ بہت ہے۔ گھرے رہیں گے تمہارے تو۔

(زہرہ کچھ جواب نہیں دیتی)

بنے: اس کی موجودہ بیوی جاہل ہے تعلیم یافتہ چاہتے ہیں۔ سب بات تو خیر ہو گئی یہ بچے تو بس تھکا دیں گے------ میں کہتا ہوں کہ یہ آخر الہ بی خود اس سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتیں۔

زہرہ: ہیں ہیں بنے ہوش میں ذرا دماغ خراب ہوا ہے۔

بنے: ارے تم تو خود اس پیٹو سے شادی کرنے پر تلی ہوئی ہو۔

زہرہ: میں کیوں ہوں۔

بنے: اور پھر کون ہے؟

زہرہ: میں کروں گی ہی کب۔

بنے: الہ اماں جو-----

زہرہ: کہنے دو الہ اماں کو مگر------

بنے: اگر مگر تمہاری کیا چلے گی۔ تم بزدل لڑکیوں کو اور آتا ہی کیا ہے یا تو سنکھیا کھا کر چوہے کی طرح مر گئیں یا اب نئی روشنی کی دلدادہ بے تعلیم یافتہ چھوکریوں کی طرح ادھر ادھر نکل کھڑی ہوئی۔ بات تو جب ہے کہ لڑ پڑو اور کہہ دو کہ الہ بی اس بڈھے سے تو آپ ہی کیجئے۔

زہرہ: چپ رہو بنے کیا غضب ہے۔ جوتے کھانے کی دل میں ہے۔

الہ بی: (دروازے سے) اے یہ کب سے کھانے کے لئے بلا رہی ہوں بنے باہر جاؤ۔ ڈپٹی صاحب کے ساتھ کھانا کھا لینا۔ میں نے قادری صاحب کے یہاں سے کھانے کا سیٹ منگوایا ہے اور تمہاری میز وہاں بچھوا دی ہے۔ ذرا سلیقے سے کھانا۔

میں دبا لیا ہو- یہ کلا اور گردن تو بالکل ہاتھی کی سی ہے اور پیر یہ بڑے بڑے (کہنی تک لمبان بنا کر) بس یہ سمجھ لو کلو پہلوان بیٹھا ہوا ہے-

(زہرہ بھویں سکیڑ کر ہنستی ہے)

بنے: سچ کہتا ہوں اور ایک بیوی دو بچوں کا پہلے ہی سے مالک ہے اچھا ہے بچے تو خوب ٹھونکنے کو ملیں گے- مگر روپیہ بہت ہے- گھرے رہیں گے تمہارے تو-

(زہرہ کچھ جواب نہیں دیتی)

بنے: اس کی موجودہ بیوی جاہل ہے تعلیم یافتہ چاہتے ہیں- سب بات تو خیر ہو گئی یہ بچے تو بس تھکا دیں گے------ میں کہتا ہوں کہ یہ آخر الہ بی خود اس سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتیں-

زہرہ: ہیں ہیں بنے ہوش میں ذرا دماغ خراب ہوا ہے-

بنے: ارے تم تو خود اس پیٹو سے شادی کرنے پر تلی ہوئی ہو-

زہرہ: میں کیوں ہوں-

بنے: اور پھر کون ہے؟

زہرہ: میں کروں گی ہی کب-

بنے: الہ اماں جو-----

زہرہ: کہنے دو الہ اماں کو مگر------

بنے: اگر مگر تمہاری کیا چلے گی- تم بزدل لڑکیوں کو اور آتا ہی کیا ہے یا تو سنکھیا کھا کر چوہے کی طرح مر گئیں یا اب نئی روشنی کی دلدادہ بے تعلیم یافتہ چھوکریوں کی طرح ادھر ادھر نکل کھڑی ہوئی- بات تو جب ہے کہ لڑ پڑو اور کہہ دو کہ الہ بی اس بڈھے سے تو آپ ہی کیجئے-

زہرہ: چپ رہو بنے کیا غضب ہے- جوتے کھانے کی دل میں ہے-

الہ بی: (دروازے سے) اے یہ کب سے کھانے کے لئے بلا رہی ہوں بنے باہر جاؤ- ڈپٹی صاحب کے ساتھ کھانا کھا لینا- میں نے قادری صاحب کے یہاں سے کھانے کا سیٹ منگوایا ہے اور تمہاری میز وہاں بچھوا دی ہے- ذرا سلیقے سے کھانا-

میں دبا لیا ہو- یہ کلا اور گردن تو بالکل ہاتھی کی سی ہے اور پیر یہ بڑے بڑے (کہنی تک لمبان بنا کر) بس یہ سمجھ لو کلو پہلوان بیٹھا ہوا ہے-

(زہرہ بھویں سکیڑ کر ہنستی ہے)

بنے: سچ کہتا ہوں اور ایک بیوی دو بچوں کا پہلے ہی سے مالک ہے اچھا ہے بچے تو خوب ٹھونکنے کو ملیں گے- مگر روپیہ بہت ہے- گھرے رہیں گے تمہارے تو-

(زہرہ کچھ جواب نہیں دیتی)

بنے: اس کی موجودہ بیوی جاہل ہے تعلیم یافتہ چاہتے ہیں- سب بات تو خیر ہو گئی یہ بچے تو بس تھکا دیں گے------ میں کہتا ہوں کہ یہ آخر الہ بی خود اس سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتیں-

زہرہ: ہیں ہیں بنے ہوش میں ذرا دماغ خراب ہوا ہے-

بنے: ارے تم تو خود اس پیٹو سے شادی کرنے پر تلی ہوئی ہو-

زہرہ: میں کیوں ہوں-

بنے: اور پھر کون ہے؟

زہرہ: میں کروں گی ہی کب-

بنے: الہ اماں جو-----

زہرہ: کہنے دو الہ اماں کو مگر------

بنے: اگر مگر تمہاری کیا چلے گی- تم بزدل لڑکیوں کو اور آتا ہی کیا ہے یا تو سنکھیا کھا کر چوہے کی طرح مر گئیں یا اب نئی روشنی کی دلدادہ بے تعلیم یافتہ چھوکریوں کی طرح ادھر ادھر نکل کھڑی ہوئی- بات تو جب ہے کہ لڑ پڑو اور کہہ دو کہ الہ بی اس بڈھے سے تو آپ ہی کیجئے-

زہرہ: چپ رہو بنے کیا غضب ہے- جوتے کھانے کی دل میں ہے-

الہ بی: (دروازے سے) اے یہ کب سے کھانے کے لئے بلا رہی ہوں بنے باہر جاؤ- ڈپٹی صاحب کے ساتھ کھانا کھا لینا- میں نے قادری صاحب کے یہاں سے کھانے کا سیٹ منگوایا ہے اور تمہاری میز وہاں بچھوا دی ہے- ذرا سلیقے سے کھانا-

میں دبا لیا ہو۔ یہ کلا اور گردن تو بالکل ہاتھی کی سی ہے اور پیر یہ بڑے بڑے (کہنی تک لمبان بنا کر) بس یہ سمجھ لو کلو پہلوان بیٹھا ہوا ہے۔

(زہرہ بھویں سکیڑ کر ہنستی ہے)

بنے: سچ کہتا ہوں اور ایک بیوی دو بچوں کا پہلے ہی سے مالک ہے اچھا ہے بچے تو خوب ٹھونکنے کو ملیں گے۔ مگر روپیہ بہت ہے۔ گھرے رہیں گے تمہارے تو۔

(زہرہ کچھ جواب نہیں دیتی)

بنے: اس کی موجودہ بیوی جاہل ہے تعلیم یافتہ چاہتے ہیں۔ سب بات تو خیر ہو گئی یہ بچے تو بس تھکا دیں گے------ میں کہتا ہوں کہ یہ آخر الہ بی خود اس سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتیں۔

زہرہ: ہیں ہیں بنے ہوش میں ذرا دماغ خراب ہوا ہے۔

بنے: ارے تم تو خود اس پیٹو سے شادی کرنے پر تلی ہوئی ہو۔

زہرہ: میں کیوں ہوں۔

بنے: اور پھر کون ہے؟

زہرہ: میں کروں گی ہی کب۔

بنے: الہ اماں جو-----

زہرہ: کہنے دو الہ اماں کو مگر------

بنے: اگر مگر تمہاری کیا چلے گی۔ تم بزدل لڑکیوں کو اور آتا ہی کیا ہے یا تو سنکھیا کھا کر چوہے کی طرح مر گئیں یا اب نئی روشنی کی دلدادہ بے تعلیم یافتہ چھوکریوں کی طرح ادھر ادھر نکل کھڑی ہوئی۔ بات تو جب ہے کہ لڑ پڑو اور کہہ دو کہ الہ بی اس بڈھے سے تو آپ ہی کیجئے۔

زہرہ: چپ رہو بنے کیا غضب ہے۔ جوتے کھانے کی دل میں ہے۔

الہ بی: (دروازے سے) اے یہ کب سے کھانے کے لئے بلا رہی ہوں بنے باہر جاؤ۔ ڈپٹی صاحب کے ساتھ کھانا کھا لینا۔ میں نے قادری صاحب کے یہاں سے کھانے کا سیٹ منگوایا ہے اور تمہاری میز وہاں بچھوا دی ہے۔ ذرا سلیقے سے کھانا۔

میں دبا لیا ہو- یہ کلا اور گردن تو بالکل ہاتھی کی سی ہے اور پیر یہ بڑے بڑے (کہنی تک لمبان بنا کر) بس یہ سمجھ لو کلو پہلوان بیٹھا ہوا ہے-

(زہرہ بھویں سکیڑ کر ہنستی ہے)

بنے: سچ کہتا ہوں اور ایک بیوی دو بچوں کا پہلے ہی سے مالک ہے اچھا ہے بچے تو خوب ٹھونکنے کو ملیں گے- مگر روپیہ بہت ہے- گہرے رہیں گے تمہارے تو-

(زہرہ کچھ جواب نہیں دیتی)

بنے: اس کی موجودہ بیوی جاہل ہے تعلیم یافتہ چاہتے ہیں- سب بات تو خیر ہو گئی یہ بچے تو بس تھکا دیں گے------ میں کہتا ہوں کہ یہ آخر الہ بی خود اس سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتیں-

زہرہ: ہیں ہیں بنے ہوش میں ذرا دماغ خراب ہوا ہے-

بنے: ارے تم تو خود اس پیٹو سے شادی کرنے پر تلی ہوئی ہو-

زہرہ: میں کیوں ہوں-

بنے: اور پھر کون ہے؟

زہرہ: میں کروں گی ہی کب-

بنے: الہ اماں جو-----

زہرہ: کہنے دو الہ اماں کو مگر------

بنے: اگر مگر تمہاری کیا چلے گی- تم بزدل لڑکیوں کو اور آتا ہی کیا ہے یا تو سنکھیا کھا کر چوہے کی طرح مر گئیں یا اب نئی روشنی کی دلدادہ بے تعلیم یافتہ چھوکریوں کی طرح ادھر ادھر نکل کھڑی ہوئی- بات تو جب ہے کہ لڑ پڑو اور کہہ دو کہ الہ بی اس بڈھے سے تو آپ ہی کیجئے-

زہرہ: چپ رہو بنے کیا غضب ہے- جوتے کھانے کی دل میں ہے-

الہ بی: (دروازے سے) اے یہ کب سے کھانے کے لئے بلا رہی ہوں بنے باہر جاؤ- ڈپٹی صاحب کے ساتھ کھانا کھا لینا- میں نے قادری صاحب کے یہاں سے کھانے کا سیٹ منگوایا ہے اور تمہاری میز وہاں بچھوا دی ہے- ذرا سلیقے سے کھانا-

میں دبا لیا ہو- یہ کلا اور گردن تو بالکل ہاتھی کی سی ہے اور پیر یہ بڑے بڑے (کہنی تک لمبان بنا کر) بس یہ سمجھ لو کلو پہلوان بیٹھا ہوا ہے-

(زہرہ بھویں سکیڑ کر ہنستی ہے)

بنے: سچ کہتا ہوں اور ایک بیوی دو بچوں کا پہلے ہی سے مالک ہے اچھا ہے بچے تو خوب ٹھونگنے کو ملیں گے- مگر روپیہ بہت ہے- گھرے رہیں گے تمہارے تو-

(زہرہ کچھ جواب نہیں دیتی)

بنے: اس کی موجودہ بیوی جاہل ہے تعلیم یافتہ چاہتے ہیں- سب بات تو خیر ہوگئی یہ بچے تو بس تھکا دیں گے------ میں کہتا ہوں کہ یہ آخر الہ بی خود اس سے بیاہ کیوں نہیں کرلیتیں-

زہرہ: ہیں ہیں بنے ہوش میں ذرا دماغ خراب ہوا ہے-

بنے: ارے تم تو خود اس پیٹو سے شادی کرنے پر تلی ہوئی ہو-

زہرہ: میں کیوں ہوں-

بنے: اور پھر کون ہے؟

زہرہ: میں کروں گی ہی کب-

بنے: الہ اماں جو-----

زہرہ: کہنے دو الہ اماں کو مگر------

بنے: اگر مگر تمہاری کیا چلے گی- تم بزدل لڑکیوں کو اور آتا ہی کیا ہے یا تو سنکھیا کھا کر چوہے کی طرح مر گئیں یا اب نئی روشنی کی دلدادہ بے تعلیم یافتہ چھوکریوں کی طرح ادھر ادھر نکل کھڑی ہوئی- بات تو جب ہے کہ لڑ پڑو اور کہہ دو کہ الہ بی اس بڈھے سے تو آپ ہی کیجئے-

زہرہ: چپ رہو بنے کیا غضب ہے- جوتے کھانے کی دل میں ہے-

الہ بی: (دروازے سے) اے یہ کب سے کھانے کے لئے بلا رہی ہوں بنے باہر جاؤ- ڈپٹی صاحب کے ساتھ کھانا کھا لینا- میں نے قادری صاحب کے یہاں سے کھانے کا سیٹ منگوایا ہے اور تمہاری میز وہاں بچھوا دی ہے- ذرا سلیقے سے کھانا-

میں دبا لیا ہو- یہ کلا اور گردن تو بالکل ہاتھی کی سی ہے اور پیر یہ بڑے بڑے (کہنی تک لمبان بنا کر) بس یہ سمجھ لو کلو پہلوان بیٹھا ہوا ہے-

(زہرہ بھویں سکیڑ کر ہنستی ہے)

بنے: سچ کہتا ہوں اور ایک بیوی دو بچوں کا پہلے ہی سے مالک ہے اچھا ہے بچے تو خوب ٹھونگنے کو ملیں گے- مگر روپیہ بہت ہے- گہرے رہیں گے تمہارے تو-

(زہرہ کچھ جواب نہیں دیتی)

بنے: اس کی موجودہ بیوی جاہل ہے تعلیم یافتہ چاہتے ہیں- سب بات تو خیر ہو گئی یہ بچے تو بس تھکا دیں گے------ میں کہتا ہوں کہ یہ آخر الہ بی خود اس سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتیں-

زہرہ: ہیں ہیں بنے ہوش میں ذرا دماغ خراب ہوا ہے-

بنے: ارے تم تو خود اس پیٹو سے شادی کرنے پر تلی ہوئی ہو-

زہرہ: میں کیوں ہوں-

بنے: اور پھر کون ہے؟

زہرہ: میں کروں گی ہی کب-

بنے: الہ اماں جو-----

زہرہ: کہنے دو الہ اماں کو مگر------

بنے: اگر مگر تمہاری کیا چلے گی- تم بزدل لڑکیوں کو اور آتا ہی کیا ہے یا تو سنکھیا کھا کر چوہے کی طرح مر گئیں یا اب نئی روشنی کی دلدادہ بے تعلیم یافتہ چھوکریوں کی طرح ادھر ادھر نکل کھڑی ہوئی- بات تو جب ہے کہ لڑ پڑو اور کہہ دو کہ الہ بی اس بڈھے سے تو آپ ہی کیجئے-

زہرہ: چپ رہو بنے کیا غضب ہے- جوتے کھانے کی دل میں ہے-

الہ بی: (دروازے سے) اے یہ کب سے کھانے کے لئے بلا رہی ہوں بنے باہر جاؤ- ڈپٹی صاحب کے ساتھ کھانا کھا لینا- میں نے قادری صاحب کے یہاں سے کھانے کا سیٹ منگوایا ہے اور تمہاری میز وہاں بچھوا دی ہے- ذرا سلیقے سے کھانا-

میں دبا لیا ہو- یہ کلا اور گردن تو بالکل ہاتھی کی سی ہے اور پیر یہ بڑے بڑے (کہنی تک لمبان بنا کر) بس یہ سمجھ لو کلو پہلوان بیٹھا ہوا ہے-

(زہرہ بھویں سکیڑ کر ہنستی ہے)

بنے: سچ کہتا ہوں اور ایک بیوی دو بچوں کا پہلے ہی سے مالک ہے اچھا ہے بچے تو خوب ٹھونکنے کو ملیں گے- مگر روپیہ بہت ہے- گھرے رہیں گے تمہارے تو-

(زہرہ کچھ جواب نہیں دیتی)

بنے: اس کی موجودہ بیوی جاہل ہے تعلیم یافتہ چاہتے ہیں- سب بات تو خیر ہو گئی یہ بچے تو بس تھکا دیں گے------ میں کہتا ہوں کہ یہ آخر الہ بی خود اس سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتیں-

زہرہ: ہیں ہیں بنے ہوش میں ذرا دماغ خراب ہوا ہے-

بنے: ارے تم تو خود اس پیٹو سے شادی کرنے پر تلی ہوئی ہو-

زہرہ: میں کیوں ہوں-

بنے: اور پھر کون ہے؟

زہرہ: میں کروں گی ہی کب-

بنے: الہ اماں جو-----

زہرہ: کہنے دو الہ اماں کو مگر------

بنے: اگر مگر تمہاری کیا چلے گی- تم بزدل لڑکیوں کو اور آتا ہی کیا ہے یا تو سنکھیا کھا کر چوہے کی طرح مر گئیں یا اب نئی روشنی کی دلدادہ بے تعلیم یافتہ چھوکریوں کی طرح ادھر ادھر نکل کھڑی ہوئی- بات تو جب ہے کہ لڑ پڑو اور کہہ دو کہ الہ بی اس بڈھے سے تو آپ ہی کیجئے-

زہرہ: چپ رہو بنے کیا غضب ہے- جوتے کھانے کی دل میں ہے-

الہ بی: (دروازے سے) اے یہ کب سے کھانے کے لئے بلا رہی ہوں بنے باہر جاؤ- ڈپٹی صاحب کے ساتھ کھانا کھا لینا- میں نے قادری صاحب کے یہاں سے کھانے کا سیٹ منگوایا ہے اور تمہاری میز وہاں بچھوا دی ہے- ذرا سلیقے سے کھانا-

میں دبا لیا ہو۔ یہ کلا اور گردن تو بالکل ہاتھی کی سی ہے اور پیر یہ بڑے بڑے (کہنی تک لمبان بنا کر) بس یہ سمجھ لو کلو پہلوان بیٹھا ہوا ہے۔

(زہرہ بھویں سکیڑ کر ہنستی ہے)

بنے: سچ کہتا ہوں اور ایک بیوی دو بچوں کا پہلے ہی سے مالک ہے اچھا ہے بچے تو خوب ٹھونکنے کو ملیں گے۔ مگر روپیہ بہت ہے۔ کھرے رہیں گے تمہارے تو۔

(زہرہ کچھ جواب نہیں دیتی)

بنے: اس کی موجودہ بیوی جاہل ہے تعلیم یافتہ چاہتے ہیں۔ سب بات تو خیر ہو گئی یہ بچے تو بس تھکا دیں گے------ میں کہتا ہوں کہ یہ آخر الہ بی خود اس سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتیں۔

زہرہ: ہیں ہیں بنے ہوش میں ذرا دماغ خراب ہوا ہے۔

بنے: ارے تم تو خود اس پیٹو سے شادی کرنے پر تلی ہوئی ہو۔

زہرہ: میں کیوں ہوں۔

بنے: اور پھر کون ہے؟

زہرہ: میں کروں گی ہی کب۔

بنے: الہ اماں جو-----

زہرہ: کہنے دو الہ اماں کو مگر------

بنے: اگر مگر تمہاری کیا چلے گی۔ تم بزدل لڑکیوں کو اور آتا ہی کیا ہے یا تو سنکھیا کھا کر چوہے کی طرح مر گئیں یا اب نئی روشنی کی دلدادہ بے تعلیم یافتہ چھوکریوں کی طرح ادھر ادھر نکل کھڑی ہوئی۔ بات تو جب ہے کہ لڑ پڑو اور کہہ دو کہ الہ بی اس بڈھے سے تو آپ ہی کیجئے۔

زہرہ: چپ رہو بنے کیا غضب ہے۔ جوتے کھانے کی دل میں ہے۔

الہ بی: (دروازے سے) اے یہ کب سے کھانے کے لئے بلا رہی ہوں بنے باہر جاؤ۔ ڈپٹی صاحب کے ساتھ کھانا کھا لینا۔ میں نے قادری صاحب کے یہاں سے کھانے کا سیٹ منگوایا ہے اور تمہاری میز وہاں بچھوا دی ہے۔ ذرا سلیقے سے کھانا۔

میں دبا لیا ہو- یہ کلا اور گردن تو بالکل ہاتھی کی سی ہے اور پیر یہ بڑے بڑے (کہنی تک لمبان بنا کر) بس یہ سمجھ لو کلو پہلوان بیٹھا ہوا ہے-

(زہرہ بھویں سکیڑ کر ہنستی ہے)

بنے: سچ کہتا ہوں اور ایک بیوی دو بچوں کا پہلے ہی سے مالک ہے اچھا ہے بچے تو خوب ٹھونکنے کو ملیں گے- مگر روپیہ بہت ہے- گھرے رہیں گے تمہارے تو-

(زہرہ کچھ جواب نہیں دیتی)

بنے: اس کی موجودہ بیوی جاہل ہے تعلیم یافتہ چاہتے ہیں- سب بات تو خیر ہو گئی یہ بچے تو بس تھکا دیں گے------ میں کہتا ہوں کہ یہ آخر الہ بی خود اس سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتیں-

زہرہ: ہیں ہیں بنے ہوش میں ذرا دماغ خراب ہوا ہے-

بنے: ارے تم تو خود اس پیٹو سے شادی کرنے پر تلی ہوئی ہو-

زہرہ: میں کیوں ہوں-

بنے: اور پھر کون ہے؟

زہرہ: میں کروں گی ہی کب-

بنے: الہ اماں جو-----

زہرہ: کہنے دو الہ اماں کو مگر------

بنے: اگر مگر تمہاری کیا چلے گی- تم بزدل لڑکیوں کو اور آتا ہی کیا ہے یا تو سنکھیا کھا کر چوہے کی طرح مر گئیں یا اب نئی روشنی کی دلدادہ بے تعلیم یافتہ چھوکریوں کی طرح ادھر ادھر نکل کھڑی ہوئی- بات تو جب ہے کہ لڑ پڑو اور کہہ دو کہ الہ بی اس بڈھے سے تو آپ ہی کیجئے-

زہرہ: چپ رہو بنے کیا غضب ہے- جوتے کھانے کی دل میں ہے-

الہ بی: (دروازے سے) اے یہ کب سے کھانے کے لئے بلا رہی ہوں بنے باہر جاؤ- ڈپٹی صاحب کے ساتھ کھانا کھا لینا- میں نے قادری صاحب کے یہاں سے کھانے کا سیٹ منگوایا ہے اور تمہاری میز وہاں بچھوا دی ہے- ذرا سلیقے سے کھانا-

میں دبا لیا ہو۔ یہ کلا اور گردن تو بالکل ہاتھی کی سی ہے اور پیر یہ بڑے بڑے (کہنی تک لمبان بنا کر) بس یہ سمجھ لو کلو پہلوان بیٹھا ہوا ہے۔

(زہرہ بھویں سکیڑ کر ہنستی ہے)

بنے: سچ کہتا ہوں اور ایک بیوی دو بچوں کا پہلے ہی سے مالک ہے اچھا ہے بچے تو خوب ٹھونکنے کو ملیں گے۔ مگر روپیہ بہت ہے۔ گھرے رہیں گے تمہارے تو۔

(زہرہ کچھ جواب نہیں دیتی)

بنے: اس کی موجودہ بیوی جاہل ہے تعلیم یافتہ چاہتے ہیں۔ سب بات تو خیر ہو گئی یہ بچے تو بس تھکا دیں گے------ میں کہتا ہوں کہ یہ آخر الہ بی خود اس سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتیں۔

زہرہ: ہیں ہیں بنے ہوش میں ذرا دماغ خراب ہوا ہے۔

بنے: ارے تم تو خود اس پیٹو سے شادی کرنے پر تلی ہوئی ہو۔

زہرہ: میں کیوں ہوں۔

بنے: اور پھر کون ہے؟

زہرہ: میں کروں گی ہی کب۔

بنے: الہ اماں جو-----

زہرہ: کہنے دو الہ اماں کو مگر------

بنے: اگر مگر تمہاری کیا چلے گی۔ تم بزدل لڑکیوں کو اور آتا ہی کیا ہے یا تو سنکھیا کھا کر چوہے کی طرح مر گئیں یا اب نئی روشنی کی دلدادہ بے تعلیم یافتہ چھوکریوں کی طرح ادھر ادھر نکل کھڑی ہوئی۔ بات تو جب ہے کہ لڑ پڑو اور کہہ دو کہ الہ بی اس بڈھے سے تو آپ ہی کیجئے۔

زہرہ: چپ رہو بنے کیا غضب ہے۔ جوتے کھانے کی دل میں ہے۔

الہ بی: (دروازے سے) اے یہ کب سے کھانے کے لئے بلا رہی ہوں بنے باہر جاؤ۔ ڈپٹی صاحب کے ساتھ کھانا کھا لینا۔ میں نے قادری صاحب کے یہاں سے کھانے کا سیٹ منگوایا ہے اور تمہاری میز وہاں بچھوا دی ہے۔ ذرا سلیقے سے کھانا۔

میں دبا لیا ہو- یہ کلا اور گردن تو بالکل ہاتھی کی سی ہے اور پیر یہ بڑے بڑے (کہنی تک لمبان بنا کر) بس یہ سمجھ لو کلو پہلوان بیٹھا ہوا ہے-

(زہرہ بھویں سکیڑ کر ہنستی ہے)

بنے: سچ کہتا ہوں اور ایک بیوی دو بچوں کا پہلے ہی سے مالک ہے اچھا ہے بچے تو خوب ٹھونکنے کو ملیں گے- مگر روپیہ بہت ہے- گھرے رہیں گے تمہارے تو-

(زہرہ کچھ جواب نہیں دیتی)

بنے: اس کی موجودہ بیوی جاہل ہے تعلیم یافتہ چاہتے ہیں- سب بات تو خیر ہو گئی یہ بچے تو بس تھکا دیں گے------ میں کہتا ہوں کہ یہ آخر الہ بی خود اس سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتیں-

زہرہ: ہیں ہیں بنے ہوش میں ذرا دماغ خراب ہوا ہے-

بنے: ارے تم تو خود اس پیٹو سے شادی کرنے پر تلی ہوئی ہو-

زہرہ: میں کیوں ہوں-

بنے: اور پھر کون ہے؟

زہرہ: میں کروں گی ہی کب-

بنے: الہ اماں جو-----

زہرہ: کہنے دو الہ اماں کو مگر------

بنے: اگر مگر تمہاری کیا چلے گی- تم بزدل لڑکیوں کو اور آتا ہی کیا ہے یا تو سنکھیا کھا کر چوہے کی طرح مر گئیں یا اب نئی روشنی کی دلدادہ بے تعلیم یافتہ چھوکریوں کی طرح ادھر ادھر نکل کھڑی ہوئی- بات تو جب ہے کہ لڑ پڑو اور کہہ دو کہ الہ بی اس بڈھے سے تو آپ ہی کیجئے-

زہرہ: چپ رہو بنے کیا غضب ہے- جوتے کھانے کی دل میں ہے-

الہ بی: (دروازے سے) اے یہ کب سے کھانے کے لئے بلا رہی ہوں بنے باہر جاؤ- ڈپٹی صاحب کے ساتھ کھانا کھا لینا- میں نے قادری صاحب کے یہاں سے کھانے کا سیٹ منگوایا ہے اور تمہاری میز وہاں بچھوا دی ہے- ذرا سلیقے سے کھانا-

میں دبا لیا ہو- یہ کلا اور گردن تو بالکل ہاتھی کی سی ہے اور پیر یہ بڑے بڑے (کہنی تک لمبان بنا کر) بس یہ سمجھ لو کلو پہلوان بیٹھا ہوا ہے-

(زہرہ بھویں سکیڑ کر ہنستی ہے)

بنے: سچ کہتا ہوں اور ایک بیوی دو بچوں کا پہلے ہی سے مالک ہے اچھا ہے بچے تو خوب ٹھونکنے کو ملیں گے- مگر روپیہ بہت ہے- گہرے رہیں گے تمہارے تو-

(زہرہ کچھ جواب نہیں دیتی)

بنے: اس کی موجودہ بیوی جاہل ہے تعلیم یافتہ چاہتے ہیں- سب بات تو خیر ہو گئی یہ بچے تو بس تھکا دیں گے------ میں کہتا ہوں کہ یہ آخر الہ بی خود اس سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتیں-

زہرہ: ہیں ہیں بنے ہوش میں ذرا دماغ خراب ہوا ہے-

بنے: ارے تم تو خود اس پیٹو سے شادی کرنے پر تلی ہوئی ہو-

زہرہ: میں کیوں ہوں-

بنے: اور پھر کون ہے؟

زہرہ: میں کروں گی ہی کب-

بنے: الہ اماں جو-----

زہرہ: کہنے دو الہ اماں کو مگر------

بنے: اگر مگر تمہاری کیا چلے گی- تم بزدل لڑکیوں کو اور آتا ہی کیا ہے یا تو سنکھیا کھا کر چوہے کی طرح مر گئیں یا اب نئی روشنی کی دلدادہ بے تعلیم یافتہ چھوکریوں کی طرح ادھر ادھر نکل کھڑی ہوئی- بات تو جب ہے کہ لڑ پڑو اور کہہ دو کہ الہ بی اس بڈھے سے تو آپ ہی کیجئے-

زہرہ: چپ رہو بنے کیا غضب ہے- جوتے کھانے کی دل میں ہے-

الہ بی: (دروازے سے) اے یہ کب سے کھانے کے لئے بلا رہی ہوں بنے باہر جاؤ- ڈپٹی صاحب کے ساتھ کھانا کھا لینا- میں نے قادری صاحب کے یہاں سے کھانے کا سیٹ منگوایا ہے اور تمہاری میز وہاں بچھوا دی ہے- ذرا سلیقے سے کھانا-

میں دبا لیا ہو۔ یہ کلا اور گردن تو بالکل ہاتھی کی سی ہے اور پیر یہ بڑے بڑے (کہنی تک لمبان بنا کر) بس یہ سمجھ لو کلو پہلوان بیٹھا ہوا ہے۔

(زہرہ بھویں سکیڑ کر ہنستی ہے)

بنے: سچ کہتا ہوں اور ایک بیوی دو بچوں کا پہلے ہی سے مالک ہے اچھا ہے بچے تو خوب ٹھونکنے کو ملیں گے۔ مگر روپیہ بہت ہے۔ گھرے رہیں گے تمہارے تو۔

(زہرہ کچھ جواب نہیں دیتی)

بنے: اس کی موجودہ بیوی جاہل ہے تعلیم یافتہ چاہتے ہیں۔ سب بات تو خیر ہو گئی یہ بچے تو بس تھکا دیں گے------ میں کہتا ہوں کہ یہ آخر الہ بی خود اس سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتیں۔

زہرہ: ہیں ہیں بنے ہوش میں ذرا دماغ خراب ہوا ہے۔

بنے: ارے تم تو خود اس پیٹو سے شادی کرنے پر تلی ہوئی ہو۔

زہرہ: میں کیوں ہوں۔

بنے: اور پھر کون ہے؟

زہرہ: میں کروں گی ہی کب۔

بنے: الہ اماں جو-----

زہرہ: کہنے دو الہ اماں کو مگر------

بنے: اگر مگر تمہاری کیا چلے گی۔ تم بزدل لڑکیوں کو اور آتا ہی کیا ہے یا تو سنکھیا کھا کر چوہے کی طرح مر گئیں یا اب نئی روشنی کی دلدادہ بے تعلیم یافتہ چھوکریوں کی طرح ادھر ادھر نکل کھڑی ہوئی۔ بات تو جب ہے کہ لڑ پڑو اور کہہ دو کہ الہ بی اس بڈھے سے تو آپ ہی کیجئے۔

زہرہ: چپ رہو بنے کیا غضب ہے۔ جوتے کھانے کی دل میں ہے۔

الہ بی: (دروازے سے) اے یہ کب سے کھانے کے لئے بلا رہی ہوں بنے باہر جاؤ۔ ڈپٹی صاحب کے ساتھ کھانا کھا لینا۔ میں نے قادری صاحب کے یہاں سے کھانے کا سیٹ منگوایا ہے اور تمہاری میز وہاں بچھوا دی ہے۔ ذرا سلیقے سے کھانا۔